اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

(امام ابن قیم رحمہ اللہ۔ التبیان في أیمان القرآن: ص:۳۱۰)

شمارہ نمبر ۳

ماھنامہ

سلفی منہج

جلد:۱- شمارہ نمبر:۳- رمضان المبارک: ۱۴۴۴ھ، مارچ- اپریل: ۲۰۲۳ء

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ
حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ
تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَا
لُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. (سنن الترمذي: 2641)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کی بعینہ وہی صورت حال ہوگی جو بنی اسرائیل کی ہو چکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے“۔

اہل حق کی نصرت وتائید اور اہل باطل کی تردید میں اٹھایا جانے والا قلم سب سے بہترین قلم ہے۔

ماہنامہ منہجِ سلف

جلد:۱-شمارہ نمبر:۳-رمضان المبارک:۱۴۴۴ھ،مارچ-اپریل:۲۰۲۳ء

زیر اشراف:
فاروق عبداللہ نراین پوری
ابو احمد کلیم الدین یوسف

مدیر:
حافظ علیم الدین یوسف

نائبان:
عبداللہ عبدالرشید مدنی
حافظ فیضان عالم

معاونین:
محمد آصف سلفی
حافظ آفتاب عالم
کامران اشرف سلفی

منہج سلف کے نام سے نشر ہونے والا یہ ایک برقی مجلہ ہے جس کا مقصد خالص سلفی دعوت کی نشر و اشاعت اور منحرفانہ وملحدانہ افکار کی بیخ کنی ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

"جماعت اہل حدیث نے مسلک کی تبلیغ میں ہمیشہ تساہل برتا، ہم اور ہمارے مبلغ اپنے مواعظ وتقاریر میں صلح کل پالیسی اختیار فرماتے رہے۔ تلخی، تیزی، بدزبانی یقیناً بری چیز ہے لیکن اچھے لفظوں میں حقیقت کی وضاحت میں تساہل کرنا عیب ہے۔ قادیانی، ومنکرین حدیث اپنے خیالات کے اظہار میں جھجک محسوس نہیں کرتے لیکن ہم لوگ ہمیشہ صلح پسندی میں حقیقت پسندی سے گریز کر جاتے ہیں، اب تو کچھ ایسے حضرات پیدا ہوگئے ہیں جو کہ اہل حدیث کے ذکر سے شرماتے ہیں"۔ (مقدمہ حسن البیان: ص:۱۹)

فہرست عناوین

سنت نبوی کا دفاع — فضیلۃ الشیخ محمد اشفاق سلفی — ۳

احادیث نبویہ پر راشد شاذ کے شبہات کے جوابات (قسط دوم) — ابو احمد کلیم الدین یوسف — ۹

آیت "وَمن لم يحكم بِمَا أنزل الله فَأُولَئِك هم الْكَافِرُونَ" کا صحیح معنی ومفہوم۔۔۔!!! (قسط دوم) — فاروق عبد اللہ نراین پوری — ۱۷

حکمرانوں کے منکرات پر انکار سے متعلق سلف صالحین کا منہج — ضیاء الحق تیمی — ۲۴

شرعی احکام میں ضعیف حدیث سے استدلال کا حکم اور ائمہ سلف کا طرز عمل — دکتور جمیل احمد ضمیر — ۳۱

کیا مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج (بغاوت) مختلف فیہ مسئلہ ہے؟ (قسط سوم) — حافظ علیم الدین یوسف — ۳۹

الولاء والبراء کا صحیح معنی ومفہوم (قسط سوم) — عبد اللہ عبد الرشید مدنی — ۴۵

اہل بدعت سے علم حاصل کرنے اور ان کی تقریر وغیرہ سننے کے تعلق سے سلف صالحین کا منہج (قسط سوم) — مامون رشید بن ہارون رشید سلفی — ۵۰

منظومة البيقونية في مصطلح الحديث: تعارف اور شروحات (قسط سوم) — ابو المدیح بلال الخلیلی — ۵۸

سنت نبوی کا دفاع

فضیلۃ الشیخ محمد اشفاق سلفی
مدرس دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، دربھنگہ (بہار)

کتاب اللہ (قرآن مجید) اور صحیح سندوں سے منقول احادیث نبویہ وسنن شریفہ دین اسلام کا اصل منبع و مصدر اور شریعت اسلامیہ کی اساس اور بنیاد ہیں۔ ان ہی دونوں سے دین کے اصول و فروع حاصل کئے جاتے ہیں۔ اہل سنت اور سلف امت کتاب وسنت کے نصوص کے ساتھ چلتے تھے، انگشت برابر بھی نصوص سے انحراف کرنا انہیں کسی حال میں گوارہ نہ تھا۔ امام اہل الشام امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ندور مع الكتاب والسنة حيث دارا" ہم کتاب وسنت کے ساتھ گھومتے ہیں جہاں اور جس طرح وہ دونوں گھومیں۔ یعنی کتاب اللہ اور سنن رسول اللہ ﷺ ہمارے امام ہیں اور ہم ان کے مقتدیان۔ مخالفِ سنت صحیحہ اقوال کے سلسلہ میں سلف امت کا شدید موقف اہل علم و نظر سے مخفی نہیں۔ چنانچہ ایک مسئلہ میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے ان کے اس احتجاج پر کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے تو ایسا نہیں کیا جیسا آپ کہتے اور کرتے ہیں، فرمایا: "وَاللَّهِ مَا أَرَاكُمْ مُنْتَهِينَ حَتَّى يُعَذِّبَكُمُ اللَّهُ، أُحَدِّثُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتُحَدِّثُونَنَا عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ"۔ [1] واللہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے قول سے باز آنے والے نہیں ہو یہاں تک کہ اللہ تمہیں عذاب دے، ہم تم سے نبی ﷺ کی حدیث بیان کرتے ہیں اور تم ہم سے ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے حوالہ سے بات کرتے ہو۔ عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشد اموی رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے: "لَا رَأْيَ لِأَحَدٍ مَعَ سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔ [2] سنت رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی کی کوئی رائے قابل اعتبار اور لائق اعتناء نہیں۔

الحمد للہ سنت رسول کی اہمیت اور حجیت کے متعلق کتاب وسنت کے واضح نصوص اور صریح دلائل کے علاوہ سلف صالحین اور علماء امت سے بھی بکثرت اقوال منقول ہیں۔ اہل بدعت اور اصحاب زیغ وضلال کی پہچان ہی یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ سنت صحیحہ کے مقابلہ میں لوگوں کی آراء اور ان کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہر وہ آیت کریمہ جو ان کے مقتدیٰ اور امام و پیشوا

---

(۱)(جامع بیان العلم وفضلہ نمبر ۲۳۷۷)۔
(۲)(اعلام الموقعین ۲/۲۰۱)۔

کے فرمان کے خلاف نظر آتی ہے یا کوئی صحیح حدیث ان کے منشا اور مقصد سے ٹکراتی ہے تو بلا تردد آیت یا حدیث کی تاویل کر دیتے ہیں یا اسے منسوخ گرادنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو راہ راست نصیب فرمائے۔ دین اسلام، اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، بھلا اس دین میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے رسول کی حکمت (حدیث) کے سوا کسی اور کا کیا عمل دخل؟ خود نبی اکرم ﷺ دین کے بنیادی مآخذ اور شریعت کے اصول و مصادر کا اپنے خطبوں میں دوامی طور پر ذکر فرمایا کرتے تھے: "إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"۔[۱] حمد و نعت کے بعد، بلاشبہ سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے اچھا طریقہ / دلالت و ارشاد، محمد ﷺ کا ہے، اور دین میں سب سے بری چیز نت نئی چیزوں کی ایجاد ہے۔ گویا منبع رشد و ہدایت اور اسلام کا صاف و شفاف سرچشمہ کتاب اللہ اور ہدایت مصطفےٰ ﷺ ہیں اور ان دونوں سے انحراف، بدعت وضلالت کا اصل سبب اور بنیادی ذریعہ ہے۔ ہر جمعہ اور ہر موقع کے خطبوں میں مذکورہ جملوں کی تکرار کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی شرعی حیثیت اور ان کے مآخذ دین ہونے کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کرتی ہے۔ اور یہ کہ جو کوئی بھی دین کے مذکورہ اصول و مآخذ سے انحراف کرتا ہے وہ اہل بدعت اور صاحب ضلالت ہے کیوں کہ اس کا دین وطریقہ کتاب و سنت سے ماخوذ نہیں ہے۔ عمومی طور پر اگر اہل بدعت پر نظر کی جائے تو پتہ چلے گا کہ ان کی گمراہی کا اصل سبب اور وجہ ضلال کتاب و سنت سے ان کا عدم تمسک ہے۔ ان کا دین آراء اور عقول پر مبنی ہے یا پھر حکایات و منامات پر۔ متشابہ آیات اور ضعاف و مناکیر روایات جو اہل بدعت کی خود ساختہ ہیں غلط معتقدات اور باطل نظریات کی تائید میں بطور استدلال پیش کی جاتی ہیں۔ یہی وہ اہل زیغ وضلال ہیں جن سے دور بھاگنے کی شریعت میں سخت تاکید ہے۔ یہی لوگ آیت قرآنیہ: فاما الذين في قلوبهم زيغ.... الآیہ۔[۲] کے اصلی مصداق ہیں۔ رہی بات عقل و قیاس کی تو بلاشبہ انسان کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عقل کے سبب فضیلت و بزرگی عطا کی ہے اور متعدد آیات قرآنیہ میں اصحاب العقول اور اولوا الالباب کی مدح فرمائی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے عقل کا صحیح استعمال نہیں کیا اور اسے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مقام پر نہیں رکھا۔ اور اس معاملہ میں بھی لوگ افراط و تفریط کے شکار ہو گئے۔ ایک جماعت نے عقل کو بانجھ اور معطل کر لیا جب کہ دوسری جماعت نے عقل کے اندر غلو سے کام لیتے ہوئے اسے مصدر شریعت قرار دیا۔ یہ طبقہ نصوص شریعت کو عقلیات پر -جو در حقیقت ظن و تخمین کا مجموعہ ہیں- پیش کرتا ہے اور جسے موافق عقل پاتا ہے اسے قبول کرتا ہے اور جسے اپنی ناقص اور

---

(۱)(صحیح مسلم من حدیث جابر حدیث ۱۸۶۷)۔

(۲)(آل عمران: ۷)۔

خام عقل کے خلاف پاتا ہے، اس کا یا تو سرے سے انکار کر دیتا ہے یا تاویل کر دیتا ہے۔ حالانکہ ہر صاحب عقل و بصیرت کو سمجھنا چاہیئے کہ انسانی عقول کی بھی ایک حد مقرر ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے اور ہر شئے کی حقیقت کو سمجھنے سے وہ قاصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کا محافظ اور تبلیغ دین کے سلسلہ میں اپنے نبی ﷺ کو خطا اور انحراف سے بچانے والا ہے۔ لہٰذا ان سب باتوں کا منطقی نتیجہ یہی ہوا کہ جو شریعت اللہ اور رسول کی طرف سے ثابت ہے وہی بلاشک وشبہ حق مبین ہے اور جسے عقل کے بندے حقیقت و یقین کا نام دیتے ہیں وہ عین باطل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی عقول و افہام حقائق و مصالح کی تعیین میں باہم دیگر مختلف نظر آتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایک مسلمان کے لئے لازمی شرط یہ رکھی ہے کہ بلا چوں و چرا کتاب اللہ اور سنت مصطفےٰ سے ثابت حکموں کو قبول کرے اور ذرہ برابر بھی اللہ اور رسول کے فیصلوں کے تئیں دل میں تنگی محسوس نہ کرے اور بخوشی ان پر عمل پیرا ہو جائے۔[1]

الحاصل صحیح اور ثابت حدیثوں کا عقل کے مخالف ہونے، یا صورت حال کے ناموافق ہونے یا اسے خبر واحد گردانتے یا صرف قرآن مجید کے کافی ووافی ہونے کے غلط دعوؤں کے سبب ترک کر دینا سراسر ظلم اور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جور و جفا کی واضح دلیل ہے۔ نبی ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی: "لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ، يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ، فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ"۔[2] یعنی میں تم سے کسی کو ہرگز اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے ہو اور اس کے پاس میرے اوامر اور نواہی میں سے کوئی حکم آئے تو وہ اس سے یہ کہہ کر اپنا دامن جھاڑ لے کہ ہم جو کچھ قرآن مجید میں پائیں گے اس کی پیروی کریں گے۔ (یعنی ہمیں سنت رسول کی ضرورت نہیں یا ہم اس کو لینے کے مکلف نہیں)۔ حالانکہ قرآن مجید کی طرح سنت رسول بشرطیکہ صحیح اور قابل اعتبار سندوں سے ثابت ہو واجب العمل ہے۔ کچھ ناعاقبت اندیش یہ کہا کرتے ہیں کہ امت کی وحدت صرف قرآن مجید پر عمل پیرا ہونے میں ہے، گویا ان کی نظر میں سنت رسول، اختلافات کا سبب ہے (العیاذ باللہ) حالانکہ خود باری سبحانہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے فرامین پر خواہ وہ اجمالی ہوں یا تفصیلی عمل کرنا واجب فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا"۔[3] رسول ﷺ جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و پیروی کا قرآن

---

(۱)(ملاحظہ ہو سورہ نساء کی آیت ۶۵)۔

(۲)(سنن ترمذی حدیث ۲۸۰۰ و سنن ابی داود حدیث ۴۶۰۵)۔

(۳)(الحشر: ۷)۔

مجید میں ٣٣ مقامات پر ذکر موجود ہے۔ لہٰذا کسی شوریدہ ذہن کے جدل وافتراء اور ظنون واوہام کے باعث ایک مسلمان کو اپنے رسول اور ہادی ﷺ کی صحیح حدیث سے کسی حال میں عدول وانحراف نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی کسی حال میں نص کو قیاس سے ٹکرانے یا اس کو اس کے حقیقی معنی سے دوسرے معانی کی طرف پھیرنے یا کسی عالم و شیخ اور پیر و مرشد کے قول کے موافق ہونے پر نص کی صحت کو موقوف سمجھنے کی ناروا جسارت کرنی چاہئے۔

سنت شریفہ اور احادیث صحیحہ کی تعظیم اور اس کی محبت انسان کے اندر عمل صالح کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ کیوں کہ عمل، سچی محبت کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ سنت پر عمل کرنا بجائے خود واجب شرعی حکم ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ.... "الحدیث۔[١] تم پر میری سنت (اور جہاں میری سنت نہ ہو وہاں) خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔ سنت کو ہر معاملہ میں پکڑنے کے سبب آدمی بڑے ہی عالی شرف سے مشرف ہوتا ہے، اہل سنت اور اہل حدیث کا لقب پاتا ہے، اس سے اچھی کوئی اور نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔

أهل الحديث هم أهل النبی

إن لم يصحبوا نفسه أنفاسهم صحبوا

اہل حدیث کا طبقہ ہی وہ مبارک طبقہ ہے جسے حق پر غالب رہنے کی نوید سنائی گئی ہے۔ "لا تزال طائفة من أمتي يقاتلون على الحق ظاهرين..."الحدیث۔[٢] میری امت کا ایک طبقہ حق پر (کتاب و سنت کی شریعت) ہمیشہ قائم رہے گا۔ نیز ارشاد نبوی ہے: "نَضَّرَ الله امرءاً سمع مِنَّا حديثاً، فحفظه حتى يبلِّغه غيره"۔[٣] اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری کوئی حدیث سنی اور اسے یاد کر لیا یہاں تک کہ اسے دوسروں تک پہنچا دیا۔ یہ حدیث متواتر اور صحیح ہے۔ اس میں علم حدیث کے شرف و فضیلت کا بیان اور اصحاب الحدیث و خادمان سنت کے لئے عظیم مژدہ ہے۔ اس میں نبی اکرم ﷺ کی ان کے حق میں وہ دعا ہے جس میں کوئی دوسرا امتی ان کا شریک نہیں۔ واللہ اگر علم حدیث کے طلب، اس کے حفظ اور اس کی اشاعت میں مذکورہ دعا کے علاوہ کوئی دوسرا فائدہ نہ بھی ہو تو یہ اصحاب الحدیث کے شرف و فضیلت کے لئے کافی ہے۔ یہی وجہ

---

(١) (سنن ابی داود حدیث ٤٦٠٧ و سنن ترمذی حدیث ٢٨١٥)۔

(٢) (صحیح البخاری حدیث ٣١٦١، صحیح مسلم حدیث: ١٩٢٠)۔

(٣) (سنن ترمذی حدیث ٢٦٥٦۔٢٦٥٨ من حدیث زید بن ثابت و ابن مسعود)۔

ہے کہ محدث کبیر سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: "لَا تَجِدُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ إِلَّا وَفِي وَجْهِهِ نَضْرَةٌ؛ لِدَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"۔(١) تم کسی اہل حدیث کو نہیں پاؤ گے مگر اس کے چہرہ پر تروتازگی اور شادابی ملے گی، کیوں کہ اس کے حق میں نبیؐ نے دعا فرمائی ہے۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں: "إِذَا رَأَيْتَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ , فَكَأَنَّمَا رَأَيْتَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ – صلى الله عليه وسلم – جَزَاهُمُ اللَّهُ خَيْرًا، حَفِظُوا لَنَا الْأَصْلَ، فَلَهُمْ عَلَيْنَا الْفَضْلُ". یعنی جب میں کسی اہل الحدیث کو دیکھتا ہوں تو گویا میں کسی صحابیِ رسولؐ کو دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ اصحاب الحدیث کو جزائے خیر دے، ان کا ہم پر بڑا فضل اور عظیم احسان ہے، کیوں کہ انہوں نے ہمارے لئے ہمارے نبی کی سنت محفوظ اور ریکارڈ کیا۔(٢)

لہٰذا دینی، شرعی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ سنت اور اصحاب سنت کا دفاع کیا جائے، باطل پرستوں کی ریشہ دوانیوں، غلو پسندوں کی تحریفات، جاہلوں کی تاویلات، اور زندیقوں اور مخالفین سنت کے شبہات اور ان کی دسیسہ کاریوں کا پردہ چاک کیا جائے، سنت کا استہزا کرنے والوں پر شدید رد کیا جائے کچھ جہلاء حجاب، داڑھی، ٹخنہ کے اوپر ازار پہننے اور داہنے ہاتھ سے کھانے پینے اور مسواک جیسی سنتوں کا مذاق اڑاتے ہیں ایسے لوگوں کو بھی آڑے ہاتھوں لیا جائے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ صحیح حدیثوں کا انکار اور ثابت سنتوں کا استہزاء دین میں کفر کے مترادف ہے اور آدمی اپنی اس حماقت یا غرور پسندی کے سبب دین سے خارج ہو جاتا ہے۔(٣)

حفاظت علم حدیث کے لئے ضروری ہے کہ حدیثوں کا علم عام کیا جائے۔ پڑھنے اور پڑھانے کا مشغلہ عام ہو۔ علماء حدیث اور محبان سنت کی عظیم کوششوں اور انتھک محنتوں کے نتیجہ میں صحیح حدیثیں، ضعاف و مناکیر سے الگ کر دی گئی ہیں۔ اب الحمد للہ کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے بھی پہلے کے مقابلہ حدیثوں پر عمل کرنا آسان ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان کی کوششوں سے فیضیاب ہونا چاہئے اور علماء حدیث کے حق میں دعائے خیر کے ساتھ ان کے عظیم احسانات کی دل سے قدر کرنی چاہئے۔ ساتھ ہی ہر مسلمان کو لازماً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید پر عمل کرنا سنت کو اپنائے بغیر کسی حال میں ممکن نہیں ہے۔ کسی بھی آیت کا وہی معنی و مراد متعین ہو گا جسے سنت صحیحہ متعین کرے گی، کیوں کہ سنت صحیحہ قرآن مجید کا بیان اور اس کی توضیح ہے۔ نیز

---

(١) مجموع الفتاوی: (١١/١)۔

(٢) (سیر اعلام النبلاء: ١٠/٦٠)۔

(٣) (اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو سورۂ توبہ: ٦٥،٦٦)۔

سنت کی اپنی بھی مستقل شرعی حیثیت ہے کوئی بھی مسئلہ خواہ وہ اعتقادی ہو یا عملی، اگر صحیح حدیث سے ثابت ہے اور قرآن مجید اس کے بطور خاص ذکر سے خالی ہے تو بھی وہ ہمارے لئے واجب القبول ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مطلقاً اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ خبر واحد بھی اگر صحیح سند سے آتی ہو تو وہ اعتقاد اور عمل دونوں ابواب میں حجت اور واجب القبول ہے جس طرح مشہور اور متواتر حدیثیں۔ وباللہ التوفیق۔

احادیث نبویہ پر راشد شاذ کے شبہات کے جوابات (قسط دوم)

ابو احمد کلیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

ماہنامہ منہج سلف کے پہلے شمارے میں انکار سنت کے تعلق سے کچھ تمہیدی اور بینادی امور پر مشتمل ایک جامع تحریر قارئین کی خدمت میں پیش کی گئی، جس کا مقصد طلبہ اور عوام کو فتنۂ انکار حدیث کی سنگینی سے آگاہی فراہم کرنا ہے۔ عہد قدیم سے منکرین سنت کی ایک طویل فہرست ہے جن پر علماے سلف کی ناقابل فراموش تردیدی خدمات کتابی شکل میں موجود ہیں۔ خوارج ومعتزلہ اور دیگر فرقوں سے ہوتا ہوا یہ فتنہ سر سید کے ذریعہ برصغیر ہند وپاک پہنچا، فتنے کی اس آگ میں مولانا مودودی اور امین احسن اصلاحی نے تیل چھڑکنے کا کام کیا، فی الوقت اس فتنے کی لگام راشد شاذ نامی شخص نے سنبھال رکھی ہے۔ در اصل یہ سر سید اور مستشرقین کا چبایا ہوا لقمہ ہے جسے راشد شاذ نگلنے کی کوشش میں لگے ہیں۔ راشد شاذ کے اعتراضات کے جوابات کے سلسلے کی پہلی کڑی گزشتہ شمارے میں آپ کے سامنے پیش کی گئی، اس سلسلے کی دوسری کاوش آپ احباب کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، اللہ ہم سب کو راہ سلف پر گامزن رکھے۔ آمین۔ (ادارہ)۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی کتاب صحیح بخاری پر بعض اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض: امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف سولہ سال کی مدت میں چھ لاکھ احادیث کیسے لکھ لی؟

جواب: یہ اعتراض کم علمی اور جہالت پر مبنی ہے، اگر امام بخاری رحمہ اللہ کے احادیث کے یاد کرنے اور صحیح بخاری لکھنے کے مرحلے کو جان لیا جاتا تو اس اعتراض کی نوبت نہیں آتی۔

۱- امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری لکھنے کی ابتدا اس وقت کی جب امام صاحب کی عمر ۲۲ سال تھی، یعنی اس عمر تک وہ احادیث، اسانید، رجال، علل اور احکام یاد کرنے میں لگے رہے، اسی مدت میں انہوں نے چھ لاکھ احادیث زبانی یاد کی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ: امام بخاری رحمہ اللہ ایک مرتبہ جس چیز کو دیکھتے وہ انہیں یاد ہو جاتی جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس سلسلے میں بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ، اسی طرح ایک مرتبہ جس چیز کو سنتے وہ من وعن ویسی ہی یاد ہو جاتی جیسا کہ حاشد بن اسماعیل کہتے ہیں: بصرہ میں ہم لوگ بعض مشائخ سے احادیث سنتے تھے اور اسے لکھ لیا کرتے تھے، ہمارے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ بھی تھے، لیکن وہ لکھا نہیں کرتے، سولہ دنوں کے بعد ہم ساتھیوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کی ملامت

کی اور کہا کہ اپنے شہر کو چھوڑ کر یہاں علم حاصل کرنے آئے ہو اور احادیث نہیں لکھتے، امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: تم لوگوں نے اب تک کتنی احادیث لکھ رکھی ہے؟ لوگوں نے کہا پندرہ ہزار احادیث، امام بخاری رحمہ اللہ نے پوری پندرہ ہزار احادیث اسی ایک مجلس میں سناڈالی، معلوم یہ ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ جتنی حدیث سنتے یاد رکھتے، جیسا کہ پندرہ دن میں پندرہ ہزار حدیث یاد کرلی، یعنی روز کے حساب سے ہزار حدیث یاد کی، اگر یومیہ ایک ہزار حدیث یاد کی جائے تو چھ لاکھ حدیث یاد کرنے کیلئے دو سال کافی ہے، لیکن ہم مان لیتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سات سال کی عمر سے حدیث یاد کرنا شروع کردیا تھا، اور ۲۲ سال کی عمر تک چھ لاکھ حدیث یاد کرلیا، یعنی چھ لاکھ حدیث یاد کرنے کی مدت ۱۵ سال بنتی ہے، جو کہ ۵۳۴۰ دنوں پر محیط ہے، اگر ہم چھ لاکھ (۶۰۰۰۰۰) احادیث کو (۵۳۴۰) دنوں پر تقسیم کرتے ہیں تو یومیہ ۱۲۲ حدیث نکلتی ہے، اب آپ ہی بتائیں کہ جو شخص ایک مجلس میں ایک ہزار حدیث یاد کرسکتا ہو اس کیلئے یومیہ ۱۱۲ حدیث یاد کرنا کتنا آسان ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بچپن سے ہی حدیث یاد کرنا شروع کردیا تھا، گیارہ سال کی عمر میں ہی انہیں اسانید اور اس کے اختلافات اس قدر ازبر تھے کہ اپنے ایک استاد الداخلی رحمہ اللہ کو حدیث بیان کرنے کے دوران ان کی ایک غلطی پر ٹوکا، استاد نے انہیں چھوٹا سمجھ کر ڈانٹ لگائی، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ اپنی کتاب میں دیکھ سکتے ہیں کہ آپ نے غلطی کی ہے، جب استاد نے کتاب کھولی تو امام بخاری رحمہ اللہ کو درست پایا، یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کی عمر گیارہ سال کی تھی، پھر بائیس سال کی عمر میں امام صاحب رحمہ اللہ کی علمی پختگی کا کیا عالم رہا ہوگا؟

۲- یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ چھ لاکھ احادیث اپنی کتاب "صحیح بخاری" میں نہیں لکھی، بلکہ ان چھ لاکھ احادیث کو زبانی یاد کیا، اور پھر ان میں سے چھانٹ کر تقریباً ساڑھے سات ہزار حدیث اپنی کتاب میں لکھی، یعنی: چھ لاکھ احادیث ۲۲ سال کی عمر تک یاد کیا، اور جب ۲۲ سال کی عمر سے صحیح بخاری کی تالیف شروع کی تو ان چھ لاکھ یاد شدہ احادیث سے چھانٹ چھانٹ کر لکھتے رہے، اور آئندہ سولہ سال کی مدت میں تقریباً ساڑھے سات ہزار احادیث لکھی، اور جب آپ کی عمر اڑتیس سال کی ہوئی تو آپ نے اپنی کتاب صحیح بخاری مکمل کرلی۔

مذکورہ بالا دونوں فرق کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے:

۱- امام بخاری رحمہ اللہ نے ۲۲ سال کی عمر تک چھ لاکھ احادیث یاد کی۔

۲- اگلے سولہ سال میں انہی چھ لاکھ احادیث میں سے ساڑھے سات ہزار سے زائد احادیث اپنی کتاب صحیح بخاری میں لکھی۔

منکرین سنت دونوں کو گڈ مڈ کر کے لوگوں کے ذہن میں اشکال پیدا کرتے ہیں۔

۳- تیسری اور اہم بات کا بھی جاننا بہت ضروری ہے، وہ یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو چھ لاکھ احادیث یاد کی تھی وہ احادیث کے نصوص اور متون نہیں تھی، بلکہ احادیث کی اسانید اور طرق کی تعداد چھ لاکھ تھی، مثال کے طور پر ایک حدیث کی کئ اسانید مرفوع ومسند ہوتیں، کئی سندیں منقطع، معضل، مرسل، معلق، مقطوع وغیرہ ہوتیں، اس میں بھی ایک ایک سند کی کئ طرق ہوتیں، ان تمام کو الگ الگ شمار کیا جاتا، جب کہ متنِ حدیث ایک ہی ہوتا، یہ محدثین کا طریقہ رہا ہے، اور اس کے بھی بہت سے فوائد بھی ہیں۔

آخری بات: ذہانت و فطانت مثالیں آج کے زمانے میں بھی پائی جاتی ہیں، بہت سے لوگ ایک مرتبہ سن کر یا ایک مرتبہ پڑھ کر یاد کر لیتے ہیں، نیز لکھنے کی رفتار میں بھی کافی فرق پایا جاتا ہے، بعض لوگ اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ گھنٹہ بھر میں صفحات کے صفحات لکھ لیتے ہیں اور بعض اس کے عشرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچ پاتے، یہ ایسے حقائق ہیں جو مسلم ہیں، جن کا انکار ایک عقلمند نہیں کر سکتا، ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ جتنا ایک دن میں لکھ لیتے تھے لوگ ایک ہفتہ میں بھی اتنا نہیں لکھ پاتے تھے، نیز یہ کہ جب ذہانت و فطانت، قوت استحضار اور علم حدیث کے شوق کو عرش والے کی مدد مل جائے، اور رب ذوالجلال اسے نبی کی سنت کی حفاظت اور اس کے دفاع کیلئے چن لے تو پھر اس کے وقت اور علم میں کس قدر برکت ہوتی ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ جیسی عبقری شخصیات اللہ کی نشانیوں میں سے ہوتی ہیں جو کم ہی پیدا ہوتے ہیں، اب کچھ عقل سے پیدل لوگ امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنے ہی جیسے کند ذہن اور بلید لوگوں پر قیاس کرتے ہیں، اور سوچتے ہیں کہ جس طرح وہ مہینے بھر میں سورہ فاتحہ یا اس کے ہم مثل سورہ نہیں یاد کر پاتے تو امام بخاری رحمہ اللہ کیسے یاد کر پاتے ہوں گے؟

خلاصہ کلام یہ کہ: منکرین سنت کا یہ دعوی کرنا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے چھ لاکھ احادیث صرف سولہ سال کی مدت میں کیسے لکھی؟ کم علمی، جہالت اور حقائق سے عدم آگاہی پر مبنی ہیں۔

صحیح بخاری کے بارے میں منکرین سنت کے ایک دوسرے شبہہ کا ازالہ:

دوسرا اعتراض: امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب "صحیح بخاری" میں جتنی بھی احادیث لکھی ہے، ہر حدیث لکھنے سے قبل انہوں نے غسل کیا، دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ کیا اور پھر اس حدیث کو اپنی کتاب میں درج کیا، اور یہ مشہور ہے کہ صحیح بخاری میں تقریبا ساڑھے سات ہزار سے زائد احادیث ہیں، اتنی تعداد میں غسل کرنا اور پھر نماز پڑھنا بالکل مضحکہ خیز اور ناممکن امر لگتا ہے۔

جواب: اگر ہم مان لیتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے غسل کرنے اور دو رکعت نماز پڑھنے کی مدت آدھے گھنٹے یعنی (۳۰) منٹ ہوتی ہوگی تو اس حساب سے کم و بیش (۷۵۶۰) حدیث سے قبل غسل کرنے اور دو رکعت نماز پڑھنے کا دورانیہ تقریباً (۳۷۸۱) گھنٹہ ہوتا ہے، اور یہ مدت آدھے سال کے عرصے سے بھی کم پر محیط ہے، اور جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی تالیف تقریباً سولہ سال میں کی ہے، اور سولہ سال میں (۱۳۶۷۰۴) گھنٹے ہوتے ہیں، اگر غسل و نماز کی مذکورہ مدت نکال دی جائے تب بھی (۱۳۲۹۲۳) گھنٹے بچتے ہیں، اور احادیث کی مذکورہ تعداد کو ان باقی ماندہ گھنٹے پر تقسیم کرتے ہیں تو ہر حدیث کو لکھنے کیلئے امام بخاری رحمہ اللہ کو تقریباً ساڑھے سترہ گھنٹے (۱۷ء۵) ملے، کیا حدیث و علل کے امام، فقیہ العصر کو روزانہ ایک حدیث لکھنے کیلئے ساڑھے سترہ گھنٹے کی مدت کافی نہیں ہوگی؟

کوئی بے وقوف یا پاگل شخص ہی کہہ سکتا ہے کہ یومیہ ایک حدیث لکھنے کیلئے اتنی مدت کافی نہیں۔

اگر ہم مرفوع احادیث کے ساتھ معلقات وغیرہ کو بھی شامل کرلیں تو صحیح بخاری کی احادیث کی کل تعداد تقریباً (۹۰۰۰) بنتی ہے، سولہ سال میں سے غسل و نماز کی مدت نکال کر بقیہ مدت (۱۳۲۹۲۳) گھنٹے پر نو ہزار کی تعداد تقسیم کی جائے تو بھی امام بخاری رحمہ اللہ کو ایک حدیث لکھنے کیلئے روزانہ تقریباً ۱۴ گھنٹے درکار تھے، ایک عقلمند آدمی با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسی عبقری شخصیت کیلئے اتنی مدت کافی سے بھی زیادہ ہوتی ہوگی۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار مکرر احادیث اور معلقات کو مد نظر رکھتے ہوئے درج کئے گئے ہیں، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک ہی حدیث مختلف اغراض و مقاصد کے پیش نظر اپنی کتاب میں کئی جگہ ذکر کرتے، اگر مکرر احادیث کو شمار نہ کیا جائے تو

احادیث کی کل تعداد (۲۶۰۲) بنتی ہے، اس حساب سے ایک حدیث لکھنے کیلئے امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس تقریباً دو دن ہوتے تھے۔

معلوم یہ ہوا کہ امام بخاری کا صحیح بخاری میں ہر حدیث لکھنے سے قبل غسل کرنا اور دو رکعت نماز کرنا عقلا و نقلا دونوں ثابت ہے، اس کا انکار کرنے والے یا اسے محال سمجھنے والے کی مثال اس شخص سی ہے جو اپنی دونوں آنکھوں سے سورج دیکھنے کے باوجود اس کا انکار کرتا ہے۔

نیا شوشہ: جب امام بخاری اور امام مسلم کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے سے قبل ائمہ کے تصحیح و تضعیف کی مخالفت کر سکتے ہیں تو آج کے زمانے میں ہمیں یہ حق کیوں نہیں مل سکتا؟؟

جواب: محترم قارئین: احادیث نبویہ کے خلاف دشنام طرازیوں کا سلسلہ بہت قدیم ہے، روافض، خوارج اور معتزلہ ہمیشہ سے اس بات کی فراق میں رہے ہیں کہ کس طرح امت کا رشتہ سنت نبوی سے کاٹا جائے تاکہ باطل افکار و نظریات کی نشر واشاعت میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہو۔

چنانچہ زمانہ جس قدر عہد نبوت سے دور ہوتا گیا اسی قدر باطل افکار و نظریات کو ہوا ملتی گئی اور نتیجہ یہاں تک آپہنچا کہ کچھ لوگ کہنے لگے ہمارے لئے تو بس قرآن ہی کافی ہے سنت کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، بلکہ آج کل بعض الحاد پسند لبرلز کو تو قرآن کی بعض تعلیمات بھی پسند نہیں آتی.

ایک صاحب ہیں راشد شاز، جو آئے دن احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ بناتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں کرتے بلکہ معتزلہ وروافض اور خوارج کے شبہات کو نئے پیرائے میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذکورہ اعتراض انہی کی ذہنی اپج ہے۔ اعتراض کا علمی جواب دینے سے قبل چند مثالیں آپ قارئین کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔

راشد شاز ہندوستان میں رہتے ہیں، اگر وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسٹیج سے کھڑے ہو کر کہیں کہ ہندوستان کے آئین میں بہت سی کمزوریاں اور کمیاں ہیں، اس لئے اس کی ترمیم کی ضرورت ہے، اور یہ حق مجھے دیا جائے کہ میں ہندوستان کا آئین تیار کروں، سب ان پر ہنسیں گے کہ اسلامیات کا پروفیسر آئین ہند بنانے کی مانگ کر رہا ہے، بلکہ کوئی انہیں پوچھے گا نہیں چہ جائیکہ کہ ان کی بات سنی جائے۔

قارئین کرام: آپ خود سوچیں کہ جس آئین کے مطابق وہ ہندوستان میں زندگی بسر کر رہے ہیں اسی آئین میں تبدیلی یا ترمیم کا حق انہیں نہیں مل سکتا تو پھر جسے علم حدیث اور جرح وتعدیل کی شدبدنہ ہو اسے یہ حق کیسے مل سکتا ہے کہ وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کو ضعیف قرار دے۔

ایک دوسری مثال لے لیں: میں محمد کلیم الدین یوسف راشد شاز صاحب یہ مطالبہ کروں کہ مجھے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا چانسلر بنادیا جائے، میں تمام لوگوں سے بہتر انداز میں اس یونیورسٹی کو چلاؤں گا اور ترقی کی راہ پر لے جاؤں گا، کیا مجھے یہ حق ملے گا؟ میری آواز سنی جائے گی؟ یا لوگ مجھ پر ہنسیں گے؟

یقیناً لوگ مجھ پر ہنسیں گے کیونکہ کہ جس کا اس یونیورسٹی سے کچھ بھی لینا دینا نہیں، جس کے پاس عصری علوم کی ڈگریاں نہیں، جو نامعلوم اور غیر مانوس ہے اسے کیسے اتنے بڑے ادارے کی ذمہ داری سونپ دی جائے؟ اور کس حق سے سونپا جائے؟

اگر میں کہوں کہ جب فلاں شخص انسان ہو کر اس یونیورسٹی کا چانسلر بن سکتا ہے تو یہ حق مجھ جیسے انسان کو کیوں نہیں مل سکتا؟

اس بات کو سن کر لوگ ہنسیں گے ہی نہیں بلکہ قہقہہ لگائیں گے، کیوں کہ ہر ایرے غیرے کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی ذمہ داری نہیں دی جاتی، اس یونیورسٹی کا چانسلر بننے کے ضوابط ہیں، جو ان ضوابط پر فٹ آئے گا اسی کو اس منصب پر بٹھایا جائے گا۔

ٹھیک اسی طرح ہر ایرے غیرے نتھو خیرے، نامعلوم، غیر مانوس، علم حدیث سے کورے شخص کو احادیث کی تصحیح وتضعیف کا حق نہیں ملتا، اس کے بھی ضوابط ہیں، جس کی پاسداری ضروری ہے۔

جناب راشد صاحب! آپ جس یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اس میں مجھے چانسلر بننے کا حق نہیں دلوا سکتے تو نبی کے زبان مبارک سے نکلی ہوئی احادیث مبارکہ پر بلا علم زبان چلانے کی اجازت کس حق سے مانگ رہے ہیں؟

یعنی قاعدہ قانون صرف آپ کی یونیورسٹی اور ملک ہندوستان میں چلے گا، اسلام بغیر کسی قاعدہ قانون کے ہے؟؟

ایک بات اور بتائیں کہ آپ جس یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں کیا اس یونیورسٹی کے چپراسی کو بھی وہی حق حاصل ہے جو آپ کو ہے؟ کیا وہ چپراسی بھی آپ کی طرح کلاس میں جاکر طالب علموں کو پڑھا سکتا ہے؟

آپ کہیں گے کہ نہیں نہیں وہ چپراسی کیسے پڑھا سکتا ہے، اس کے پاس اتنا علم کہاں کہ وہ طالب علموں کو سمجھا سکے!!!

تو جناب عالی! جب ایک چپراسی جو سالوں سے آپ جیسے تعلیم یافتہ افراد اور طالب علموں کے درمیان رہتا ہے اس کے باوجود اسے پڑھانے کا حق حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر جو علم حدیث کی یونیورسٹی میں ایک چپراسی کا بھی درجہ نہیں رکھتا ہو، بلکہ اس نے اس یونیورسٹی کا منہ بھی نہیں دیکھا ہو، اسے محدثین کو پڑھانے اور ان کی صحیح کردہ احادیث کو ضعیف اور صحیح کہنے کا حق کیسے دیا جا سکتا ہے؟

اگر آپ کا مطالبہ عدل پر مبنی ہے تو پھر آپ علی گڑھ یونیورسٹی میں چپراسیوں کو پروفیسر بنانے کے لئے مطالبہ کرنا بھی شروع کردیں، اور کہیں کہ جب یہاں پڑھنے کی وجہ سے ہمیں پروفیسر بننے کا حق مل سکتا ہے تو انہیں یہاں کام کرنے اور پڑھے لکھے لوگوں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے انہیں پروفیسر بننے کا حق کیوں نہیں مل سکتا؟

معزز قارئین: مذکورہ مثالوں سے آپ اتنی بات تو سمجھ گئے ہوں گے کہ ہر پڑھا لکھا آدمی محدث نہیں بن سکتا، اور یہ بھی سمجھ گئے ہوں گے پڑھے لکھے کے ساتھ رہنے سے بھی کوئی پڑھا لکھا نہیں بنتا، تو آپ کو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جو فرق راشد صاحب کی یونیورسٹی میں ان کے اور ان کے چپراسی کے درمیان ہے وہی فرق بلکہ اس سے بڑا فرق راشد شاز صاحب اور محدثین کے درمیان ہے، یعنی جب چپراسی کو پروفیسر نہیں بنایا جا سکتا تو پھر علوم حدیث سے نابلد راشد صاحب کو تصحیح وتضعیف کا حق کیسے دیا جا سکتا ہے؟

قارئین کرام: کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ کی تصحیح وتضعیف پر اس امت کے علماء نے آنکھ بند کر کے یقین کر لیا ہے، بلکہ محدثین احادیث کی تصحیح وتضعیف کے معاملے میں اس قدر محتاط اور سخت تھے کہ اپنے والد تک کو نہیں چھوڑتے، اگر ان کے والد ضعیف راوی ہوتے اور حدیث بیان کرتے تو فوراً وہ محدث کہتے کہ میرے والد کی روایت قابل

قبول نہیں کیوں کہ وہ ضعیف راوی ہیں، پھر سوچیں کہ جن محدثین کی یہ حالت ہو وہ امام بخاری اور امام مسلم کی باتوں پر آنکھ بند کر کے کیسے یقین کر لیتے؟ اور ان کی ہر بات کو کیسے من وعن سچ مان لیتے؟

اس لئے ہر دور میں علماء کرام امام بخاری اور امام مسلم کی تصحیح شدہ احادیث کو تحقیق کی بھٹی میں ڈالتے رہے، ایک ایک حدیث، بلکہ حدیث کے ایک ایک جملے اور ایک ایک حرف کی تحقیق کرتے رہے، نیز سند کے ہر راوی کے حالات کو کھنگال ڈالتے رہے، اور ہر دور کے علماء اپنی تحقیق کے بعد اسی نتیجے پر پہنچے کہ صحیحین کی احادیث بالکل صحیح ہیں، اس لئے پوری امت کے علماء کا اس بات پر اجماع ہوا کہ صحیحین کتاب اللہ کے بعد سب سے اصح ترین کتاب ہے، اور یہ اجماع تقلید کی بنیاد پر نہیں ہوا، بلکہ تحقیق، تفتیش، تمحیص، تدقیق اور تنقید کے بعد ہوا ہے۔

خود امام بخاری رحمہ اللہ نے جب پورے احتیاط کے ساتھ، اور ہر حدیث سے قبل استخارہ کے بعد پوری کتاب مکمل کرلی تو اس وقت کے تین ایسے اماموں پر اپنی کتاب کو پیش کیا جو علم حدیث کے جملہ فنون کے ماہر تھے، ان میں سے ایک امام احمد ہیں جو دس لاکھ احادیث کے حافظ، نیز جرح وتعدیل اور علل کے ماہر تھے، دوسرے ابن معین ہیں جو جرح وتعدیل کے امام تھے، تیسرے ابن المدینی ہیں جو علل حدیث کے امام تھے رحمہم اللہ جمیعا۔

ان تینوں ائمہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب صحیح بخاری کو کلین چٹ دیا، اور اس کتاب میں موجود تمام احادیث کی صحت سے اتفاق کیا سوائے چار احادیث کے۔

اور ایسا نہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ کے بعد ان کی تصحیح شدہ احادیث کو میزان جرح وتعدیل میں رکھنے کا حق کسی کو نہیں ملا، بلکہ خود امام بخاری نے اسے میزان جرح وتعدیل پر پیش کیا جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں بات گذری، اور امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ کے بعد بھی بعض محدثین ان کی بعض تصحیح شدہ احادیث سے اختلاف کرتے رہے، لیکن دوسرے محدثین نے علوم حدیث کے قواعد کی روشنی میں امام بخاری کے قول کو ہی راجح قرار دیا۔

اس لئے اس بات کا نعرہ لگانا کہ امام بخاری اور امام مسلم کی تصحیح شدہ احادیث پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں یہ امت مسلمہ کے کو مغالطے میں ڈالنا ہے۔

اس لئے پہلے اس لائق بنیں کہ آپ کو تصحیح وتضعیف کا حق ملے، ورنہ چپراسی اور پروفیسر والا فرق برقرار رہے گا۔

آیت "وَمن لم يحكم بِمَا أنزل الله فَأُولَئِك هم الْكَافِرُونَ" کا صحیح معنی ومفہوم، اور غور وفکر کے چند زاویے (قسط دوم)

فاروق عبد اللہ نراین پوری
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

امام المفسرین، ترجمان القرآن، حبر الامت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "إنه ليس بالكفر الذي تذهبون إليه، إنه ليس كفرًا ينقل عن ملة, ﴿ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون﴾ كفر دون كفر"[١]۔ (اس سے وہ کفر مراد نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ اس سے مراد وہ کفر نہیں جو دائرہ اسلام سے خارج کر دے۔ اس آیت میں کفر سے مراد وہ کفر ہے جو کفر-اکبر- سے چھوٹا ہے۔ یعنی اس سے مراد کفر اصغر ہے۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں اس کے علاوہ بھی متعدد الفاظ وارد ہیں، جو بیان کردہ معنی کے موافق ہے۔

استاد محترم شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "لم يعلم له مخالف من الصحابة، فيكون هذا إجماعًا في زمن صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه كفر دون كفر، وقد أطبق كلام السلف على هذا, ولا يعلم للسلف ولا لأئمة الإسلام الكبار كمالك وأحمد وغيرهما كلمة واحدة تخالف هذا"[٢]۔ (صحابہ میں سے -اس تفسیر میں- کوئی بھی ان کا مخالف ہو اس کا علم نہیں۔ اس ناحیے سے صحابہ کرام کے زمانے میں

([١]) تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی (٥٢١/٢)، السنہ لابی بکر الخلال (١٦٠/٤)، تفسیر ابن ابی حاتم (١١٤٣/٤)، الابانۃ الکبری لابن بطہ (٧٦٦/٢، ح ١٠١٠)، المستدرک للحاکم (٣٤٢/٢، ح ٣٢١٩)، السنن الکبری للبیہقی (٣٨/٨، ح ١٥٨٥٤) واللفظ لہ، والاحادیث المختارہ للمقدسی (٦٧/١١) وغیرہ۔
امام حاکم نے اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے: "**ہذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاہ**"، حافظ ذہبی نے مستدرک کی تلخیص میں اس حکم کی موافقت کی ہے، علامہ البانی نے الایمان لابن تیمیہ (ص ٢٥٥) کی تحقیق میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے، اور علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے "فتنۃ التکفیر للالبانی (ص ٢٤) کی تعلیق میں اس "تصحیح" کی تائید کی ہے، اور اس پر کلام کرنے والوں پر رد کیا ہے۔

([٢]) الافادۃ والاعلام بفوائد رسالۃ نواقض الاسلام لسلیمان الرحیلی (ص ٧٢)۔

اس پر اجماع ہوا کہ یہ کفرٌ دون کفرٍ (یعنی کفر اصغر) ہے، سلف کا کلام بھی اس بارے میں متفق ہے، اور سلف میں سے یا اسلام کے کبار ائمہ مثلاً امام مالک واحمد وغیرہما میں سے کسی سے کوئی ایک کلمہ بھی ایسا نہیں جو اس کے مخالف ہو۔)

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے الفاظ پر غور کریں، وہ مخاطب پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "اس آیت میں وہ کفر مراد نہیں جو تم سمجھ رہے ہو"۔ یعنی اسی زمانے میں کچھ لوگ اس سے استدلال کرتے ہوئے تکفیری فتوے دے رہے تھے جن پر انھوں نے نکیر کی۔ غالباً ان کے مخاطب وہ خوارج ہیں جو علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ظاہر ہوئے، ان کی تکفیر کی، ان کے خلاف برسرپیکار ہوئے اور مسلمانوں کی خونریزی کی دلخراش داستان لکھی، جن کی نسل آج تک قتل وغارت گری کا یہ گھناؤنا کھیل کھیل رہی ہے۔

علم وفراست سے مزین علامہ البانی رحمہ اللہ کی یہ عبارت پڑھیں، فرماتے ہیں: "كأنه طرق سمعه يومئذ ما نسمعه اليوم تمامًا من أن هناك أناسًا يفهمون هذه الآية فهمًا سطحيًا من غير تفصيل، فقال رضي الله عنه: "ليس الكفر الذي تذهبون إليه، وإنه ليس كفرًا ينقل عن الملة، وهو كفر دون كفر"، ولعله يعني بذلك الخوارج الذين خرجوا على أمير المؤمنين علي رضي الله عنه، ثم كان من عواقب ذلك أنهم سفكوا دماء المؤمنين، وفعلوا فيهم ما لم يفعلوا بالمشركين، فقال: ليس الأمر كما قالوا أو كما ظنوا، وإنما هو كفر دون كفر، هذا الجواب المختصر الواضح من ترجمان القرآن في تفسير هذه الآية هو الحكم الذي لا يمكن أن يفهم سواه"[1]۔ (گویا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پردۂ سماعت سے بالکل یہی بات اسی وقت ٹکرا چکی تھی جو آج ہم بعض لوگوں سے سن رہے ہیں، جو سطحی انداز میں بغیر کسی تفصیل کے اس آیت کو سمجھتے ہیں، جن پر رد کرتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "اس سے وہ کفر مراد نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ یہ وہ کفر نہیں جو دائرۂ اسلام سے خارج کر دے۔ یہ وہ کفر ہے جو کفر–اکبر– سے چھوٹا ہے"۔

غالباً اس سے انہوں نے ان خوارج کو مراد لیا ہے جنھوں نے علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا تھا، پھر اس کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ انھوں نے مؤمنوں کی خونریزی کی، اور ان کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا جو مشرکوں کے ساتھ بھی روا نہ رکھا، تب آپ نے فرمایا کہ یہ جو کہہ رہے یا سوچ رہے ہیں معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد محض کفرٌ دون کفرٍ (یعنی کفر اصغر) ہے۔

([1]) فتنۃ التکفیر للالبانی (ص ۶)۔

ترجمان القرآن سے اس آیت کی تفسیر میں یہ مختصر اور واضح جواب ایسا قول فیصل ہے جس کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں اسے سمجھنا ممکن نہیں۔

یہ دراصل خوارج کی فکر ہے، جس کا عصر حاضر میں سید قطب جیسے اخوانیوں نے خوب پرچار کیا ہے، اور امت کے ایک بڑے گروہ کو تکفیری بنادیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد اور مفسر قرآن عطا بن ابی رباح(۱) اور طاوس بن کیسان(۲) بھی اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ اس سے وہ کفر مراد نہیں جس کے ارتکاب سے انسان دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جائے، بلکہ اس سے "کفر دون کفر" (یعنی کفر اصغر) مراد ہے۔

علقمہ اور اسود سے روایت ہے، ان دونوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رشوت کے بارے سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: یہ حرام ہے۔ دونوں نے پوچھا: (اپنے حق میں) فیصلہ کے لئے اسے دینے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: یہ تو کفر ہے، اور پھر اس آیت کی تلاوت کی: "جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں"(۳)۔

یہاں واضح ہے کہ انہوں نے اس "کفر" سے "کفر اکبر" جو انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کردے مراد نہیں لیا ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ رشوت دینے اور لینے سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، اور اہل سنت میں اس کا کوئی قائل نہیں۔

عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ جَاحِدًا بِهِ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ أَقَرَّ بِهِ وَلَمْ يَحْكُمْ بِهِ فَهُوَ ظَالِمٌ فَاسِقٌ"(۴)۔ (اگر کوئی انکار کرتے ہوئے اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو کافر ہے، اور اگر کوئی اقرار کرے لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ظالم اور فاسق ہے۔)

((۱)) دیکھیں: مسائل الامام احمد بروایۃ الامام ابی داود (۱۳۵۷)، وتعظیم قدر الصلاۃ للمروزی (۵۷۵)، علامہ البانی نے السلسلہ الصحیحہ (۱۱۴/۶) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

((۲)) تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی (۵۷۴)، وتفسیر طبری (۴۶۵/۸)۔ علامہ البانی نے السلسلہ الصحیحہ (۱۱۴/۶) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

((۳)) تفسیر طبری (۴۳۲/۸)، والسنہ لابی بکر الخلال (۱۵۷/۴، ح ۱۴۱۲)، واسنادہ صحیح۔

((۴)) تفسیر بغوی (۵۵/۲)۔

آیت کا یہی تفصیلی معنی سلف صالحین کی ایک جماعت مثلاً امام ابوعبید القاسم بن سلام، محمد بن نصر المروزی، امام احمد بن حنبل، علامہ ابن عبد البر، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم الجوزیہ، ابن ابي العز الحنفی، حافظ ابن رجب الحنبلی، حافظ ابن حجر، ودیگر علمانے بیان کیاہے[1]۔

شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے پچاس سے زائد ائمہ اور علمانے آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے، کسی نے اسے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے مطلقاً تکفیر کی بات نہیں کی[2]۔

شیخ سعید بن علی بن وہف القحطانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے علامہ ابن باز رحمہ اللہ سے براہ راست سنا، آپ فرما رہے تھے: "من حكم بغير ما أنزل الله فلا يخرج عن أربعة أنواع:

١ – من قال أنا أحكم بهذا لأنه أفضل من الشريعة الإسلامية فهو كافر كفراً أكبر.

٢ – ومن قال أنا أحكم بهذا لأنه مثل الشريعة الإسلامية، فالحكم بهذا جائز وبالشريعة جائز، فهو كافر كفراً أكبر.

٣ – ومن قال أنا أحكم بهذا، والحكم بالشريعة الإسلامية أفضل لكن الحكم بغير ما أنزل الله جائز. فهو كافر كفراً أكبر.

٤ – ومن قال أنا أحكم بهذا وهو يعتقد أن الحكم بغير ما أنزل الله لا يجوز ويقول الحكم بالشريعة الإسلامية أفضل ولا يجوز الحكم بغيرها ولكنه متساهل أو يفعل هذا لأمرٍ صادر من حُكّامه فهو كافر كفراً أصغر لا يخرج من الملة ويعتبر من أكبر الكبائر"[3].

(جو اللہ تعالی کے نازل کردہ قانون کے علاوہ دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ چار اقسام سے خارج نہیں:

((۱)) دیکھیں: الایمان لابی عبید القاسم بن سلام (ص ۹۳)، تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی (۲/۵۱۷-۵۲۹)، التمہید لابن عبد البر (۲۳۶/۴)، الایمان لابن تیمیہ (ص ۲۴۴-۲۵۶)، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ (۲۵۴/۷)، مدارج السالکین لابن القیم (۳۳۶/۱)، فتح الباری لابن رجب (۱۳۷/۱-۱۳۸)، شرح العقیدۃ الطحاویہ لابن ابی العز الحنفی (ص ۳۲۴)، وفتح الباری لابن حجر (۸۷/۱)۔

((۲)) الاصول السنیہ البہیہ (ص ۲۲۴-۲۲۵)۔

((۳)) العروۃ الوثقی فی ضوء الکتاب والسنہ لسعید بن علی بن وہف القحطانی (ص: ۱۰۰)۔

پہلی قسم: جو کہے کہ میں اس قانون کے مطابق اس لئے فیصلہ کر رہا ہوں کیونکہ وہ اسلامی شریعت سے افضل ہے تو وہ کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔

دوسری قسم: جو کہے کہ میں اس قانون کے مطابق اس لئے فیصلہ کر رہا ہوں کیونکہ وہ اسلامی شریعت کی طرح ہی ہے، لہذا اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنا بھی جائز ہے اور اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا بھی جائز ہے، تو وہ بھی کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔

تیسری قسم: جو کہے کہ میں اس قانون کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں لیکن مانتا ہوں کہ اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنا افضل ہے، البتہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے علاوہ دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا بھی جائز ہے، تو وہ بھی کفر اکبر کا مرتکب کافر ہے۔

چوتھی قسم: جو کہے کہ میں اس قانون کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں، لیکن وہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے نازل کردہ قانون کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہیں، اور کہے کہ اسلامی شریعت ہی افضل ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہیں، لیکن (عملی طور پر) متساہل ہو، یا اس لئے ایسا کر رہا ہو کیونکہ اس کے ماتحت حکمرانوں کے ذریعہ یہ قانون صادر ہوا ہے، تو کفر اصغر کا مرتکب کافر ہے۔ اس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو گا، لیکن بہت بڑے اور سنگین گناہ کا مرتکب ہو گا۔)

اب کچھ باتیں بطور تنبیہ پیش خدمت ہیں:

پہلی تنبیہ: یہ جو اقسام ذکر کی گئیں ان پر غور کریں! آپ پائیں گے کہ ہر ایک قسم کا تعلق "قلبی اعتقاد" سے ہے۔ یعنی جو کوئی بھی قانون الہی چھوڑ کر وضعی قانون نافذ کرتا ہے اس کے قلبی اعتقاد کے حساب سے اس کے اس عمل کا حکم بدلتا رہتا ہے، اور اس نے ایسے قوانین کو نافذ کرتے وقت دل میں کیا سوچا ہے اسے صرف وہ اور اس کا رب جانتا ہے۔ کسی انسان کو اللہ نے یہ پاور دیا ہی نہیں کہ کسی کے دل میں جھانک کر پتہ کر لے کہ اس نے کیا سوچ کر ایسا قانون نافذ کیا ہے، لہذا الہی قانون چھوڑ کر وضعی قانون نافذ کرنے والے پر کوئی حکم لگانا آسان کام نہیں۔ یہ انتہائی خطرناک کام ہے، ایسے باریک مسائل میں اپنی زبان بے قابو چھوڑنے والوں کو اللہ سے ڈرنا چاہئے۔

دوسری تنبیہ: یہ چاروں اقسام اس صورت میں ہیں جب بشری قانون اللہ تعالی کے نازل کردہ قانون کے مخالف ہو۔مثلاً کوئی کہے کہ زنا، چوری، شراب نوشی کی کوئی سزا نہیں، یا کہے کہ رجم اور قصاص خلاف انسانیت ہے، اس کے بدلے قید وجرمانہ افضل ہے۔ یا یہ کہ دونوں برابر ہیں، اور دونوں سے انصاف قائم ہو جاتا ہے۔ اس لئے چاہے جس پر اکتفا کیا جائے کوئی حرج نہیں، دونوں برابر ہی ہیں۔ یا اسے ناجائز اور حرام ہی سمجھے لیکن بشری تقاضے کی بنا پر تنفیذ میں تساہل سے کام لے تو ان تمام صورتوں میں یہ حرام بلکہ کفر ہے، بسا اوقات کفر اکبر، اور بسا اوقات کفر اصغر۔

لیکن اگر بشری قانون اللہ کے نازل کردہ قانون کے مخالف ہی نہ ہو تو یہ جائز ہے، بلکہ بسا اوقات یہ مطلوب بھی ہے، مثلاً ٹریفک کے بے شمار قوانین۔ یہ گرچہ بشری قوانین ہیں، لیکن الہی قوانین کے مخالف نہ ہونے کی وجہ سے جائز ہیں، اور رعایا کے لئے ان کی اتباع کرنا ضروری ہے۔

تیسری تنبیہ: یہاں پر غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ اس آیت میں حکمرانوں کی کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے، بلکہ عموم کے ساتھ "ومن لم یحکم" کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں تمام مسلمان شامل ہیں، حکمراں بھی اور عوام بھی۔ اگر کوئی عام شخص اپنے اوپر اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کو صد فیصد نافذ نہیں کرتا، مثلاً جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، داڑھی منڈواتا ہے، وغیرہ، تو وہ بھی اس میں شامل ہے۔ اس لئے دوسروں کی تکفیر کرنے والوں کو خود اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ کہیں وہ خود اپنے غلط فتوے کی رو سے کفر اکبر کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک بار ایک مسجد سے گزر رہا تھا، تو وہیں میں نے جمعہ کی نماز ادا کی، خطیب بہت جوشیلے تھے، وضع قطع یہ تھا کہ پینٹ پہنے ہوئے تھے، اور داڑھی منڈی ہوئی تھی، خطبے کا عنوان یہی "اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا حکم" تھا، جس میں انھوں نے مطلقاً (بغیر کسی تفصیل کے جن کا اوپر تذکرہ ہوا) تکفیر ثابت کی۔ اپنی گھن گرج آواز سے انھوں نے منبر ہلا کر رکھ دیا۔ نماز سے فراغت کے بعد میں نے انھیں سلام کیا، دینی غیرت وحمیت پر ان کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ آپ نے "اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کا حکم" بیان کرتے ہوئے

کہا کہ یہ کفر ہے، حالانکہ دیکھ رہاہوں آپ خود اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق نہیں چل رہے۔ یہ ٹائٹ پینٹ پہننا اور داڑھی منڈانا تو اللہ کا نازل کردہ قانون نہیں(۱)۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے خود ان کے عمل سے ان کے استدلال کی بطلان واضح کردی، اور ان کو لاجواب کردیا۔

اس آیت سے حکمرانوں کی تکفیر کرنے والوں میں سے اکثر کی حالت یہی ہے، خود اپنے اقوال واعمال سے شریعت کی دھجیاں اڑاتے رہتے ہیں، اور حکمرانوں کی تکفیر کرکے فتنہ وفساد کا راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھی تنبیہ: اگر اس آیت کو کفر اکبر پر بھی محمول کیا جائے (جو کہ سلف کا منہج نہیں) پھر بھی یہ حکم عام ہی ہے، اس سے کسی معین حکمراں کی تکفیر جائز نہیں، اور نہ اس کے خلاف خروج وبغاوت جائز ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کسی معین شخص کی تکفیر کے بہت سارے شرائط وضوابط ہیں، جب تک کسی معین شخص کے یہاں ان تمام شرائط وضوابط کا انطباق نہ ہو، ان پر حجت قائم نہ کردی گئی ہو، ان کی بالتعیین تکفیر جائز نہیں۔ یہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک متفق علیہ مسائل میں سے ہے۔

نیز یہ بھی جاننا چاہئے کہ اتمام حجت کے بعد بھی بالتعیین تکفیر کا حق صرف کبار اور راسخ علما کرام کو حاصل ہے، طلبہ علم یا عوام کے لئے سرے سے جائز ہی نہیں کہ بالتعیین کسی کی تکفیر کرے۔ ان جیسے عظیم اور حساس مسائل میں انھیں صرف اپنے کبار علما کے پیچھے چلنا ہے، اپنی طرف سے اجتہاد کرتے ہوئے تکفیر کا حکم صادر کرنا ان کے لئے جائز نہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں کتاب وسنت کو فہم سلف کے مطابق سمجھنے اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے۔

((۱)) استاد محترم شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ نے "الاصول السنیۃ البہیۃ فی کشف شبہ اہل الفتن الغویۃ (ص ۲۲۲) میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

حکمرانوں کے منکرات پر انکار سے متعلق سلف صالحین کا منہج

محمد ضیاء الحق تیمی
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

حکمرانوں کے منکرات پر انکار کے تعلق سے منہج سلف کیا ہے اسی کو ذیل میں چند نقاط کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) پہلی چیز: حکمرانوں کو نصیحت کرنا واجب ہے۔

حکمرانوں کے اپنی رعایا پر جو بہت سارے حقوق ہیں ان میں سے ایک حق یہ کہ وہ انہیں نصیحت کریں۔ یہ ان پر ایک شرعی واجب ہے۔

تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:(الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ) "دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے امراء (حکمرانوں) اور عام لوگوں کے لیے"۔ (۱) اور حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں حق بات کی نصیحت کی جائے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(إِنَّ اللهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضَى لَكُمْ: أَنْ تَعْبُدُوهُ، وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا، وَيَكْرَهُ لَكُمْ: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ الْمَالِ) "اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین امور کو پسند فرماتا ہے اور تین امور کو ناپسند فرماتا ہے: چنانچہ پسندیدہ امور یہ ہیں: کہ تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھراؤ، اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ مت پیدا کرو، اور اللہ نے جنہیں تم پر حکمران بنایا ہے انہیں نصیحت کرتے رہو، اور ناپسندیدہ امور یہ ہیں: قیل وقال، کثرتِ سوال، اور مال کا ضیاع"۔ (۲)

---

(۱) (صحیح مسلم، ح:۵۵)۔

(۲) (مسند أحمد: ح:۸۷۱۵، وإسنادہ صحیح)۔

(۲) دوسری چیز: حکمرانوں کی طرف سے جو منکرات سرزد ہوں تو ان پر انکار کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟ اس کی دو صورتیں ہیں:

۱- پہلی صورت یہ ہے کہ فاعل کا ذکر کئے بغیر منکر پر نکیر کی جائے۔

منکرات اور معاصی پر انکار واجب ہے اگر ان کا ارتکاب اعلانیہ ہونے لگے، لیکن اس کے لئے فاعل کا ذکر نہ کیا جائے، چاہے ان کا فاعل حاکم ہو یا رعایا، مثلا سود، ظلم، شراب نوشی وغیرہ پر نکیر کی جائے، لیکن یہ نہ کہا جائے کہ فلاں سود خور ہے، فلاں زانی اور شرابی ہے، اور فلاں ظالم ہے وغیرہ۔

علامہ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”منکر پر نکیر فاعل کا نام لئے بغیر کی جائے گی؛ چنانچہ زنا، شراب، سود پر نکیر کی جائے گی اور زانی، شرابی اور سود خور کا نام نہیں لیا جائے گا، اور یہ عمومی ادلہ کی بنیاد پر واجب ہے، اور فاعل کا ذکر کئے بغیر معاصی پر نکیر اور ان سے تحذیر ہی کافی ہے چاہے فاعل حاکم ہو یا محکوم“۔[۱]

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ منکر کا ارتکاب کرنے والے پر انکار کیا جائے، لہذا اگر وہ حاکم ہو تو اس کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟

اس کے لئے واجب ہے کہ شرعی طریقے سے اس پر انکار کیا جائے اور اس کا اصل طریقہ یہ ہے کہ نرمی کے ساتھ علیحدگی میں انکار کیا جائے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْصَحَ لِذِي سُلْطَانٍ فَلَا يُبْدِهِ عَلَانِيَةً، وَلَكِنْ يَأْخُذُ بِيَدِهِ فَيَخْلُوا بِهِ، فَإِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَاكَ، وَإِلَّا كَانَ قَدْ أَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ)۔[۲] ”جو شخص کسی حاکم کو نصیحت کرنا چاہے تو اعلانیہ نہ کرے، بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے جا کر نصیحت کرے، اگر اس کی بات کو وہ قبول کرتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی“۔

۲- اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ عثمان رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں بات کیوں نہیں کرتے، تو آپ نے جواب دیا کہ: (إِنَّكُمْ لَتُرَوْنَ أَنِّي لَا أُكَلِّمُهُ إِلَّا أُسْمِعُكُمْ، إِنِّي أُكَلِّمُهُ فِي السِّرِّ دُونَ أَنْ أَفْتَحَ بَابًا لَا أَكُونُ أَوَّلَ

(۱) (فتاوی ابن باز: (۲۱۰/۸)۔

(۲) (مسند احمد: ۱۵۳۳۳، وابن أبی عاصم فی السنۃ، ح۱۰۹۸، وصححہ الألبانی فی ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ لابن أبی عاصم (۵۲۱/۲)۔

مَنْ فَتَحَهُ)"کیا تمہارا خیال ہے کہ میں تمہیں سنا کر ان سے بات کروں، میں علیحدگی میں ان سے بات کرتا ہوں، اور کوئی ایسا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا ہوں جس کو کھولنے والا سب سے پہلا شخص میں ہی بنوں"۔(۱)

اس کی توضیح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں:(يعني المجاهرة بالإنكار على الأمراء في الملأ، كما جرى لقتلة عثمان رضي الله عنه)"دروازہ کھولنے سے ان کی مراد یہ ہے کہ لوگوں کے بیچ امراء پر اعلانیہ انکار کا دروازہ کھولنا، جیسا کہ قاتلین عثمان نے کیا"۔(۲)

ابن حجر فرماتے ہیں:(أي: باب الإنكار على الأئمة علانية، خشية أن تفترق الكلمة)"دروازے سے مراد حکمرانوں پر اعلانیہ نکیر کا دروازہ، کیوں کہ اس سے انتشار کا ڈر ہے"۔(۳)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ:(مراد أسامة: أنه لا يفتح باب المجاهرة بالنكير على الإمام؛ لما يخشى من عاقبة ذلك، بل يتلطّف به، وينصحه سرًا، فذلك أجدر بالقبول)؛"اس سے اسامہ رضی اللہ عنہ کی مراد حاکم پر اعلانیہ نکیر کا دروازہ ہے کیونکہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس کے ساتھ نرمی اور لطف کا معاملہ کیا جائے گا اور علیحدگی میں نصیحت کی جائے گی، کیوں کہ اس میں اس بات کا امکان زیادہ ہوتا ہے کہ وہ نصیحت کو قبول کرے"۔(۴)

شیخ البانی مختصر صحیح مسلم کی تحقیق میں اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں:(يعني المجاهرة بالإنكار على الأمراء في الملأ لأن في الإنكار جهارا ما يخشى عاقبته، كما اتفق في الإنكار على عثمان جهاراً إذ نشأ عنه قتله)"اس سے لوگوں کے بیچ حاکم پر اعلانیہ انکار کا دروازہ ہے کیونکہ اعلانیہ انکار کے نتائج برے ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر پہلے اعلانیہ انکار کیا گیا اور جس کا نتیجہ اخیر میں ان کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا"۔(۵)

---

(۱)(بخاری:ح:۳۲۶۷، ومسلم:ح:۲۹۸۹)۔
(۲)(شرح مسلم)(۱۶۰/۱۸)۔
(۳)الفتح(۵۱/۱۳)۔
(۴)الفتح(۵۱/۱۳)۔
(۵)(۳۳۵/۲)۔

۳-حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رعایا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”ہمارے تمہارے اوپر جو حقوق ہیں ان میں سے یہ کہ تنہائی میں تم ہمیں نصیحت کرو اور خیر کے کاموں میں تعاون کرو“۔(۱)

۴-عبد اللہ بن عکیم فرماتے ہیں: ”شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا سانحہ پیش آنے کے بعد کسی اور خلیفہ کے قتل میں تعاون نہیں کروں گا، تو آپ سے کہا گیا کہ اے ابو معبد کیا آپ نے ان کا خون بہانے میں تعاون کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: (إنّي أعدّ ذكرَ مَساويه عوناً على دَمِه) ”میں ان کے عیوب بیان کرنے کو ان کے خون بہانے میں تعاون شمار کرتا ہوں“۔(۲)

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صراحت کے ساتھ خروج کی دعوت دینا ہی صرف خروج نہیں ہے، اور قتل کرنے والے کو ہی قاتل تصور نہیں کیا جائے گا بلکہ لوگوں کے بیچ حاکم کے عیوب بیان کرنے والے کو بھی خروج اور قتل میں معاون اور شریک مانا جائے گا۔

۵-علامہ سعدی فرماتے ہیں: (على من رأى منهم ما لا يحل أن ينبههم سراً لا علناً بلطف وعبارة تليق بالمقام). ”اگر کوئی ان کی طرف سے ناجائز امور دیکھے تو انہیں تنہائی میں، نرمی کے ساتھ ایسے ایسے اسلوب میں تنبیہ کرے جو اس کی شایان شان ہو، اعلانیہ نہ کرے“۔(۳)

۶-ابن باز رحمہ اللہ میں فرماتے ہیں: ”اچھے اسلوب، مفید خط وکتابت، اور بالمشافہ مفید گفتگو کے ساتھ آپ نصیحت کریں، خیر خواہی یہ نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے عیوب کی تشہیر کریں، اور منبروں اور دیگر ذرائع سے حکومت پر تنقید کریں، لیکن خیر خواہی یہ ہے کہ حکیمانہ اور جائز طریقے سے ہر وہ کوشش کریں جس سے شر کا ازالہ ہو اور خیر عام ہو“۔(۴)

---

(۱)(أخرجه هناد في الزهد ۶۰۲/۲)۔

(۲)أخرجه ابن سعد في طبقاته ۱۱۵/۶، والفسوي في المعرفة والتاريخ ۲۳۱/۱-۲۳۲، وصححه عبد السلام بن برجس في معاملة الحكام (ص: ۸۴)۔

(۳)(الرياض الناضرة ۵۰)۔

(۴)فتاوى (مجموع فتاوى ابن باز (۹۸/۹)۔

۷-شیخ عبد المحسن العباد اپنی کتاب (حقوق ولاة الأمر المسلمين النصح والدعاء لهم والسمع والطاعة في المعروف) میں فرماتے ہیں: "مسلم حکمرانوں کے اپنی رعایا پر حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ انہیں علیحدگی میں، رفق ونرمی کے ساتھ نصیحت کریں، اور نیکی کے کاموں میں ان کی سمع وطاعت کو بجالائیں"۔

مذکورہ دلائل کی بنیاد پر اس باب میں اصل یہی ہے کہ حکمران کو علیحدگی میں نرمی اور حکمت کے ساتھ نصیحت کی جائے گی۔

لیکن دو شرطوں کے ساتھ اس پر اعلانیہ انکار بھی جائز ہے:

۱-حاکم پر انکار اس کے سامنے کرے۔

۲-انکار میں مصلحت پیش نظر ہو۔

اور اس استثناء کی دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کا امیر مدینہ مروان پر نکیر، جب انہوں نے خطبہ کو عید کی نماز پر مقدم کیا۔[۱]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے امیر مدینہ پر انکار ان کے سامنے کیا، اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ لوگ ایک منکر کام کو دین نہ سمجھ لے، اور یہ مقام تاخیر کا متحمل نہیں تھا اس لئے مروان پر اعلانیہ انکار مصلحت کا تقاضا تھا۔

(۲)۔امام نووی نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے سابقہ اثر کے ضمن میں فرمایا: "اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ امرا کے ساتھ ادب اور لطف کے ساتھ پیش آنا چاہئے، اور انہیں خاموشی کے ساتھ نصیحت کرنی چاہئے اور ان سے متعلق جو لوگوں کی شکایات ہیں ان تک پہنچانا چاہئے تا کہ وہ ان سے باز آجائیں، اور اگر انہیں تنہائی میں وعظ اور انکار کا موقع نہ ملے تو اعلانیہ کرے تا کہ اصل حق ضائع نہ ہو"۔[۲]

---

(۱)(بخاری:۹۵۶)۔

(۲)(شرح مسلم:۱۸/۱۶۰)۔

یہاں برملا تنقید کی بات حاکم کے سامنے کی ہے، نا کہ اس کے غائبانہ میں۔ اور مصلحت یہ ہے کہ کوئی حق ضائع نہ ہو جائے۔

(۳)۔ فقیہ ملت علامہ ابن عثیمین نے فرمایا: ”اعلانیہ انکار سے منکر اور شر کے زائل ہونے اور خیر کے حصول کی امید ہو تو اعلانیہ انکار کریں گے، اور اگر اس سے خیر کے حصول کی امید نہ ہو بلکہ اس سے انکار کرنے والے اور اہل خیر سے حکام کی نفرت میں اضافے کا سبب ہو تو بہتر یہ ہے کہ تنہائی میں نصیحت کی جائے، گویا اس میں مصلحت کا اعتبار کیا جائے گا، اور مصلحت خیر کا حصول اور شر کا ازالہ ہے۔ اس باب کے تمام ادلہ کو جمع کرنے سے یہی پتہ چلتا ہے“۔

شیخ کا مقصد اعلانیہ انکار سے حاکم کے سامنے انکار ہے۔ جیسا کہ شیخ کے کلام کے اگلے حصے سے واضح ہو گا۔ اور اس انکار سے مصلحت کا حصول پیش نظر ہونا چاہئے۔ چنانچہ پھر شیخ سے سوال کیا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں جو برائیاں ہیں ان پر اعلانیہ انکار جائز نہیں، تو آپ نے فرمایا: ”ہماری گفتگو حکمران پر انکار کے سلسلے میں ہے نہ کہ رائج برائیوں پر انکار سے متعلق۔ کیونکہ رائج برائیوں پر انکار تو ضروری ہے، لیکن ہماری گفتگو حاکم پر انکار کے سلسلے میں ہے مثلا ایک شخص مسجد میں کھڑا ہو کر یہ کہے: حکومت نے یہ ظلم کیا، یہ کیا وہ کیا، پس حکمرانوں کے تعلق سے اس طرح اعلانیہ گفتگو کرے، حالانکہ جن کے بارے گفتگو کر رہا ہے وہ مجلس میں موجود نہیں ہیں، اور اس بات میں فرق ہے کہ آپ جس حاکم کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں وہ آپ کے سامنے حاضر ہے یا غائب ہے، کیونکہ سلف سے جتنے بھی انکار وارد ہیں وہ امیر اور حاکم کے سامنے کے ہیں، کیونکہ اگر وہ سامنے حاضر ہو تو وہ اپنا دفاع کر سکتا ہے اور اپنا نقطہ نظر بیان کر سکتا ہے، لیکن اگر وہ غائب ہو تو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا ہے اور یہ ظلم ہے“۔[1]

گویا شیخ کے کلام میں اعلانیہ تنقید سے مراد حاکم کے سامنے تنقید ہے نا کہ اس کے غائبانہ میں، اور امام نووی کے کلام میں بھی اعلانیہ تنقید سے یہی مقصود ہے نا کہ اس کے غائبانہ میں جیسا کہ بعض لوگ یہ مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ:

(۱) حاکم کو نصیحت کرنا، رعایا پر واجب ہے۔

---

(۱) (لقاءات الباب المفتوح ۳/۳۵۳-۳۵۵)۔

(۲)منکرات پر نصیحت بغیر فاعل کا ذکر کئے کی جائے۔چاہے منکر کا مرتکب حاکم ہو یا محکوم۔

(۳)اگر فاعل پر نکیر کرنی ہو اور وہ حاکم ہو تو اصل یہ ہے کہ اسے تنہائی میں نرمی کے ساتھ نصیحت کی جائے۔

(۴)اعلانیہ انکار خلافِ اصل ہے لیکن دو شرطوں کے ساتھ یہ جائز ہے:

۱- انکار حاکم کے سامنے ہو،سلف سے وارد تمام واقعات اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

۲-انکار میں مصلحت پیش نظر ہو۔

حکمرانوں کے منکرات پر انکار کے تعلق سے یہی منہج سلف ہے،اور اسی منہج پر آج کے سلفی علماء الحمدللہ کاربند ہیں اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے ہیں،نیکی اور طاعت کے کاموں میں حکومت کی اطاعت کو رب کی اطاعت سمجھتے ہیں اور اس میں کسی ملامت گروں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے ہیں اور معصیت میں کسی کی اطاعت کو روا نہیں سمجھتے ہیں اور اس پر حکمرانوں کو بقدر استطاعت منہج سلف کے مطابق تنہائی میں حکمت ونرمی کے ساتھ نصیحت کرتے ہیں تاکہ شر کا ازالہ ہو سکے اور وہ خوارج کی طرح بر سر منبر حکمرانوں کے عیوب کی تشہیر کو حرام اور باعث فتنہ وفساد سمجھتے ہیں۔اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے ہر باب میں منہج سلف پر چلنے کی توفیق دے۔

شرعی احکام میں ضعیف حدیث سے استدلال کا حکم اور ائمہ سلف کا طرز عمل

دکتور جمیل احمد ضمیر مدنی

ضعیف حدیث یا تو قطعی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوتی ہے یا ظن غالب کی بنیاد پر وہ پایہ ٔ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہے، بنابریں وہ زیادہ سے زیادہ ظن مرجوح کا فائدہ دیتی ہے، لہذا اس پر کسی شرعی حکم کی بنیاد رکھنا یا کسی شرعی مسئلہ میں اسے دلیل بنانا جائز نہیں۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں: "الأحاديثُ الضعيفةُ الإسناد لا يغلبُ على الظنّ أنّ النبي صلى الله عليه وسلم قالها، فلا يمكن أن يُسنَد إليها حكم". (۱)

یعنی اگر کوئی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ضعیف سند سے مروی ہو تو اس سے اس بات کا غالب گمان حاصل نہیں ہوتا ہے کہ وہ حدیث مشکاۃ نبوت سے صادر ہوئی ہے، لہذا اس پر کسی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی ہے۔

اور علامہ شوکانی فرماتے ہیں: "الضعيف الذي يبلغ ضعفه إلى حدٍّ لا يحصل معه الظن، لا يثبت به الحكم، ولا يجوز الاحتجاج به في إثبات شرع عام، وإنما يثبت الحكم بالصحيح والحسن لذاته أو لغيره؛ لحصول الظن بصدق ذلك وثبوته عن الشارع". (۲)

اگر کسی حدیث کا ضعف اس حد تک پہنچ جائے کہ اس سے ظن (غالب) حاصل نہ ہوتا ہو تو ایسی حدیث سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا، اور نہ ہی اس سے کسی عام شرعی مسئلہ کے اثبات پر استدلال کرنا جائز ہوگا۔ حکم صرف صحیح اور حسن لذاتہ یا

---

(۱) الاعتصام (۲۸۸/۱)۔

(۲) إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول (۱/۳۴)۔

حسن لغیرہ سے ثابت ہوگا، اس لئے کہ اس قسم کی حدیث سے اس بات کا غالب گمان حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ حکم شارع سے ثابت ہے۔

ضعیف حدیث سے کسی شرعی حکم پر استدلال کی ممانعت پر ائمہ سلف کا اتفاق بھی منقول ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "لم يقل أحد من الأئمة: إنه يجوز أن يُجعَل الشيءُ واجبًا، أو مُستحبًّا بحديث ضعيف، ومن قال هذا؛ فقد خالف الإجماع".(۱)

کسی بھی امام نے یہ بات نہیں کہی ہے کہ ضعیف حدیث سے کس چیز کو واجب یا مستحب قرار دیا جائے، ایسا کہنے والا اجماع کا مخالف ہے۔

حافظ جلال الدین دوانی فرماتے ہیں: "اتفقوا على أنّ الحديث الضعيف، لا تثبت به الأحكام الشرعية".(۲)

اس بات پر اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث سے شرعی احکام ثابت نہیں ہوتے۔

مزید برآں اگر اللہ تعالی کسی حکم کو مشروع قرار دینا چاہتا تو وہ اسے اپنے بندوں تک ان کے نزدیک معتبر ذرائع میں سے کسی ذریعہ سے پہنچاتا، لہذا یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالی کسی کو چیز کو مشروع کرنا چاہے اور وہ اس کے بندوں تک محض ایک ایسی ضعیف حدیث کے ذریعہ پہنچے جس کی نسبت صاحب حدیث کی طرف کرنا مجروح ہو۔

اس بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الحمدللہ ہم اس بات سے بالکل مامون ہیں کہ شریعت کی کوئی بھی بات جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو یا اسے مندوب قرار دیا ہو یا آپ نے اسے کر کے دکھایا ہو، وہ ضائع ہو جائے اور وہ بات امت کے ایک بھی فرد تک نہ تو تواتر کے ذریعہ اور نہ ہی قابل اعتماد (ثقہ) راویوں کی

---

(۱) مجموع الفتاوی (۲۵۱/۱)۔

(۲) أنموذج العلوم (ص:۲۸۰)۔

روایت کے ذریعہ پہنچے۔ نیز ہم اس بات سے بھی قطعی طور پر مامون ہیں کہ وہ شرعی حکم محض ایسا شخص نقل کرے جس کی روایت سے حجت قائم نہ ہوتی ہو"۔[۱]

شرعی احکام میں ضعیف حدیث سے استدلال کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک ایسے شرعی حکم کی نسبت کرنا لازم آتا ہے جو آپ سے نہ تو قطعی طور پر اور نہ ہی ظن غالب کی بنیاد پر ثابت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی ایسے حکم کی نسبت کرنا جو آپ سے ثابت نہیں شریعت میں اضافہ یا خلل کا سبب ہے، اس لئے کہ شریعت کا دارومدار وحی پر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کی جو بھی بات بتائی ہے وہ وحی الہی ہوتی ہے۔

لہذا کسی بھی حدیث سے استدلال کرنے سے پہلے اس کی استنادی حیثیت سے واقفیت ضروری ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ وہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف تو ایسی صورت میں اس سے استدلال کرنا جائز نہیں۔

علامہ نووی فرماتے ہیں: "اگر کسی شخص کو حدیث کے ضعف کا علم ہو تو اس کے لئے اس حدیث سے استدلال کرنا جائز نہیں کیونکہ علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ احکام میں ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر اسے اس حدیث کا ضعف معلوم نہ ہو اور وہ اس فن کا جانکار ہو تو اس کے لئے بغیر بحث و تحقیق کے اس حدیث سے استدلال کرنا جائز نہیں، اور اگر کوئی اس فن کا جانکار نہ ہو تو اس کے لئے بھی جائز نہیں جب تک کہ وہ اہل علم سے اس حدیث کے بارے میں پوچھ کر اس کی صحت وضعف کو معلوم نہ کرلے"۔[۲]

اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"اگر کوئی شخص کتب سنن یا کتب مسانید میں موجود کسی حدیث سے استدلال کرنا چاہتا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اس لئے کہ دونوں کے مصنفین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس بات کی پابندی نہیں کی ہے کہ وہ صرف صحیح اور حسن حدیثیں ہی ذکر کریں گے۔ لہذا اگر استدلال کرنے والا صحیح اور غیر صحیح کے درمیان تمیز کی اہلیت رکھتا ہو تو اس کے لئے قطعا یہ روا نہیں کہ

(۱) الإحکام في أصول الأحکام (۱/۱۳۶)۔
(۲) شرح النووي علی مسلم (۱/۱۲۶)۔

کتب سنن یا کتب مسانید میں موجود کسی حدیث سے اس کی سند کے اتصال اور رواۃ کے احوال سے واقف ہوئے بغیر استدلال کرے۔

اور اگر صحیح وضعیف کے درمیان تمیز کرنے کا اہل نہ ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ حدیث صحیحین میں ہے یا کسی امام نے اس کو صحیح قرار دیا ہے تو پھر اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس حدیث سے استدلال کر سکتا ہے۔اور اگر اس حدیث کے تعلق سے کسی امام کی تصحیح یا تحسین نہ ملے تو ایسی صورت میں اس کے لئے اس حدیث سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہو گا، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ رطب ویابس جو بھی پائے اس سے استدلال کرنے لگے کیونکہ ایسی صورت میں وہ غیر شعوری طور پر کسی باطل حدیث سے بھی استدلال کر سکتا ہے"۔(۱)

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ تصحیح وتضعیف کے باب میں اس فن کے معتبر اہل علم کی طرف رجوع کرنا ویسے ہی ہے جیسے ہم ہر فن میں اس کے ماہرین کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کی تحقیقات سے استفادہ کرتے ہیں، مثلاً کسی نحوی یا لغوی مسئلہ کے لئے علماء نحو اور علماء لغت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لہٰذا اسی طرح تصحیح وتضعیف کے باب میں بھی فن حدیث کے معتبر اہل علم کی تحقیقات سے استفادہ کیا جائے۔یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ جب کسی حدیث کے عدم ثبوت کی بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں:"هذا الحديث لا يثبته أهل العلم بالحديث".(۲)

اس حدیث کو علمائے حدیث (محدثین) ثابت نہیں مانتے۔

نیز امام شافعی کا اس باب میں امام احمد سے استفادہ کرنا اور ان سے حدیث کی صحت وضعف کے بارے میں تثبت کرنا اہل علم کے نزدیک معروف ومشہور ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شافعی نے کہا: "أنتم أعلم بالأخبار الصحاح منا، فإذا كان خبر صحيح، فأعلمني حتى أذهب إليه". سير أعلام النبلاء(۱۰/۳۳)

(۱)النکت علی کتاب ابن الصلاح (۱/۲۴۹)۔

(۲)الأم (۴/۷۶)(۵/۵)،(۶/۲۴۳)۔

آپ کو صحیح احادیث کے بارے میں ہم سے زیادہ علم ہے لہذا جب کوئی حدیث صحیح ہو تو مجھے بتا دیا کریں تاکہ میں اسے اختیار کرلوں۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ سلف نے ایک عالم کے لئے صحیح اور ضعیف حدیث کی معرفت کو لازم قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں:"إنّ العالم إذا لم يعرف الصحيح والسقيم من الحديث لا يسمى عالِمًا".(۱)

اگر عالم کو صحیح اور ضعیف حدیث کا پتہ نہ ہو تو اسے عالم نہیں کہیں گے۔

اسی طرح امام احمد کا ایک قول یہ بھی ہے:"ينبغي للرجل إذا حمل نفسه على الفتيا أن يكون عالما بالسنن، عالما بوجوه القرآن، عالما بالأسانيد الصحيحة، وإنما جاء خلاف من خالف لقلة معرفتهم بما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم في السنة، وقلة معرفتهم بصحيحها من سقيمها".(۲)

اگر کوئی شخص مفتی بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سنن کا جانکار ہو، قران کے معانی و مفاہیم پر اس کو درک حاصل ہو اور صحیح اسانید (احادیث) کا اسے علم ہو۔ کیونکہ جن لوگوں نے خلاف (سنت) فتوے دیئے تو اس کی وجہ یہی رہی ہے کہ انہیں احادیث کا علم کم تھا اور صحیح وضعیف کے درمیان تمیز کی صلاحیت ناکافی تھی۔

کسی حدیث سے استدلال کے وقت صحیح اور ضعیف کی تمیز و تحقیق کی اسی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہر دور میں علماء امت کی ایک معتد بہ تعداد نے اس جاں گسل کام کا بیڑا اٹھایا، ضعیف ومنکر اور باطل و موضوع روایات سے ذخیرہ سنت کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی کا مظاہرہ کیا اور اس باب میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی نظیر دیگر اقوام کی تاریخ میں بالکل ناپید ہے۔

---

(۱) معرفة علوم الحديث للحاكم (ص:۶۰)۔

(۲) الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادي (۳۳۲/۲)۔

عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ یہ موضوع و منگھڑت احادیث کا جو سلسلہ چل پڑا ہے اس کا کیا ہو گا؟ تو انہوں نے جواب دیا:"تعيش لها الجهابذة".[۱]

یعنی اس کے لئے ماہر نقاد حدیث پیدا ہوتے رہیں گے جو ان منگھڑت حدیثوں کی کدورت سے سنت نبویہ کے رخ زیبا کو صاف کرتے رہیں گے۔

چنانچہ اس مشن کے لئے مالک بن انس، شعبۃ بن حجاج، سفیان بن عیینہ، یحیی بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحیی بن معین، بخاری، مسلم، ابو حاتم، ابوزرعۃ اور دار قطنی وغیرہ جیسے جلیل القدر حفاظِ سنت و نقادِ حدیث پیدا ہوئے جنھوں نے سنت کی حفاظت اور اس کے دفاع میں اپنی پوری زندگی کھپادی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر کا دور آیا اور ان دونوں خُدّام حدیث نے صحیح اور ضعیف کے درمیان تمیز کے حوالے سے ایسی عظیم الشان اور گرانقدر علمی خدمات انجام دیں جو بعد کے ادوار میں آنے والے طلبہ حدیث کے لئے مشعل راہ اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

علم حدیث کے حوالے سے اسلاف کی جملہ علمی جهود پر غور کرنے سے یہ حقیقت طشت از بام ہو جاتی ہے کہ ان کی تمام تر کوششوں اور کاوشوں کا صرف اور صرف یہی ایک مقصد تھا کہ نبی صلی اللہ وسلم کی طرف منسوب احادیث کی چھان بین کی جائے، ان میں سے کھرے اور کھوٹے کو الگ کیا جائے اور صحیح اور غلط نسبت کی تحقیق کی جائے۔

چنانچہ اسی کدووکاوش کے نتیجے میں فن حدیث کے اصول وضوابط نکھر کر سامنے آئے، جرح وتعدیل اور علم رجال کے خدوخال نمایاں ہوئے، مصطلح حدیث کے جواہر پارے وجود میں آئے، فقہ وفتاوی کی کتابوں میں موجود احادیث کی تخریج و تحقیق کا فن معرض وجود میں آیا۔

ان سب علوم وفنون کا بنیادی مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ صحیح اور ضعیف احادیث کے درمیان تمیز ہو تا کہ صرف انہیں احادیث پر عمل کیا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں۔

---

(۱)مقدمۃ ابن الصلاح (ص:۶)۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر اسلام کے دفاع میں اٹھ کھڑے ہونے علماء کو ہر کس وناکس راوی کی جو بھی حدیث ملے اسے اخذ کرنا اور قبول کرنا ہی ہوتا تو پھر انہوں نے جرح وتعدیل کا جو یہ بیڑا اٹھایا اس کا کوئی معنی ہی نہیں ہوتا جبکہ جرح وتعدیل پر ان کا اتفاق ہے۔ اسی طرح حدیث کی سند طلب کرنا بھی ایک بے مقصد کام ہوتا جبکہ انہوں نے سند کو دین کا حصہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ کہنا کہ (حدثنی فلان عن فلان) کہ فلاں راوی نے مجھ سے فلاں کے واسطے حدیث بیان کی، یہ یونہی بلا مقصد نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کے ذریعہ حدیث کے راویوں کے بارے میں جاننا مقصود ہوتا تھا تاکہ کسی مجہول یا مجروح یا متہم راوی سے حدیث نہ لی جائے اور نہ ہی ایسے شخص سے جس کی روایت قابل اطمینان نہ ہو، کیونکہ اصل مقصود یہ ہے کہ بلا کسی شک وشبہ کے ہمیں اس بات کا غالب گمان ہو جائے کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے، تاکہ ہم شریعت میں اس پر اعتماد کر سکیں اور اس پر احکام کی بنیاد رکھ سکیں"۔[۱]

نیز اس سلسلے میں ائمہ سلف کے طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابن الجوزی لکھتے ہیں: "وقد كان جماهير أئمة السلف يعرفون صحيح المنقول من سقيمه، ومعلوله من سليمه، ثم يستخرجون حكمه ويستنبطون علمه".[۲]

جماہیر ائمہ سلف کا حال یہ تھا کہ پہلے وہ صحیح اور ضعیف کو جانتے اور پہچانتے تھے پھر اس سے حکم نکالتے اور علم کا استنباط کرتے تھے۔

اور علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "إنّ الأئمة لا يروون عن الضعفاء شيئًا، يحتجّون به على انفراده في الأحكام؛ فإنّ هذا شيء لا يفعله إمام من أئمة المحدثين، ولا محقِّقٌ من غيرهم من العلماء".[۳]

ائمہ (حدیث) ضعیف راویوں سے کوئی ایسی حدیث نہیں روایت کرتے ہیں کہ محض اسی پر اعتماد کرتے ہوئے احکام میں اس سے استدلال کریں، یہ نہ تو ائمہ محدثین کا طریقہ اور شیوہ ہے اور نہ ہی ان کے علاوہ دیگر محقق علماء ایسا کرتے ہیں۔

بلکہ بعض ائمہ سے یہاں تک منقول ہے کہ وہ ضعیف حدیث سے استدلال کرنے پر سخت نکیر کرتے تھے۔

---

(۱) الاعتصام (۱۵/۲)۔

(۲) الموضوعات (۸/۱)۔

(۳) شرح النووی علی مسلم (۱۲۶/۱)۔

چنانچہ ایک بار امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سامنے صلاۃ جمعہ کے متعلق ایک مسئلہ کا ذکر آیا کہ جمعہ کی نماز کس پر واجب ہے؟ امام احمد نے اس مسئلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ذکر نہیں کی، ایک شخص نے کہا: اس مسئلے کے متعلق میرے پاس ایک حدیث ہے۔امام احمد بن حنبل نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"الجمعة على من آواه الليل إلى أهله".

یہ حدیث سن کر امام احمد رحمہ اللہ اس شخص پر سخت برہم ہوئے، اور اس سے کہا:"استغفر ربک، استغفر ربک" اپنے رب سے استغفار کرو اپنے رب سے استغفار کرو۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:"إنما فعل أحمد بن حنبل هذا؛ لأنه لم يعد هذا الحديث شيئًا، وضعفه لحال إسناده".(۱)

یعنی حدیث کی سند ضعیف ہونے کی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے اس کو ذرا بھی درخور اعتنانہ سمجھا۔

خلاصہء کلام یہ کہ کسی شرعی حکم کے اثبات کے لئے ضعیف حدیث کو بنیاد بنانا جائز نہیں اور یہی ائمہ سلف و محقق اہل علم کا طریقہ رہا ہے، واللہ اعلم۔

---

(۱) جامع الترمذی (۵۰۲)۔

کیا مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج (بغاوت) مختلف فیہ مسئلہ ہے؟ (قسط سوم)

حافظ علیم الدین یوسف
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

حاکم کے خلاف خروج کا مسئلہ ان اہم مسائل میں سے ایک ہے جسے سلف صالحین نے اہل سنت کے خصوصی اعتقاد میں ذکر کیا ہے، اور جسے اہل سنت و اہل بدعت کے درمیان حد فاصل بھی بتایا ہے۔ سلفیت کی طرف نسبت رکھنے والے بعض افراد نے اس مسئلہ کے مختلف فیہ ہونے کا دعوی کیا ہے، ان کے دعوی کی تردید اور مسئلہ میں درست راہنمائی کی غرض سے چند صفحات پر مشتمل اس تحریر کی پہلی اور دوسری قسط گزشتہ شماروں میں نظر نواز ہوئی۔ تیسری قسط پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)۔

سابقہ اقساط میں مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے کی حرمت دینے کے تعلق سے ادلہ شرعیہ اور اجماع امت آپ کے سامنے پیش کئے گئے، جو قطعیت کے ساتھ اس بات پر دال ہیں کہ مسئلہ میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ بعض لوگوں کی جانب سے اس مسئلے میں اختلاف کا دعوی کیا جاتا رہا ہے، بطور دلیل عبد اللہ بن زبیر، حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور بعض تابعین کا نام پیش کیا جاتا ہے۔ ذیل کے سطور میں ان شبہات کے جوابات ذکر کئے جا رہے ہیں۔

اس شبہ کا جواب:

۱۔ گزشتہ قسط میں امرا کو سب و شتم کرنے اور ان سے بغض رکھنے سے ممانعت کے سلسلے میں کبار صحابہ کا اجماع ذکر کیا گیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب صحابہ کرام مجرد سب و شتم اور بغض سے منع کیا کرتے تھے تو خروج من باب اولی ان کے نزدیک ممنوع تھا، نیز علماے کرام کی ایک بڑی جماعت سے خروج کی حرمت پر اجماع بھی نقل کیا گیا۔ اور اجماع کے مخالف قول و عمل شذوذ کے خانے میں ڈالا جاتا ہے۔ لہذا اجماع کے مقابلے میں بعض کے عمل کو دلیل بنانا اصول سے ناواقفیت اور کم علمی کی دلیل ہے۔

۲۔ بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے تو مختلف فیہ مسائل میں دلائل کی بنیاد پر فیصلہ ہوتا ہے نہ کہ اپنی خواہش نفس کی بنا پر کسی بھی رائے کو راجح قرار دیا جاتا ہے؟ اللہ رب العالمین نے بوقت اختلاف قرآن وحدیث کی

طرف رجوع کا اور اس سے فیصلہ لینے کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالی ہے: "يأيها الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا"۔ (اے ایمان والو! فرمانبر داری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبر داری کرو (رسول اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز پر اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالی کی طرف اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے)۔(۱)

۳۔ صحابہ وتابعین میں سے جن لوگوں کے تعلق سے یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خروج کیا تھا ان کے اس واقعے پر سلف نے نکیر کی ہے، ساتھ ہی ان کے لئے عذر بھی تلاش کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا أَهْلُ الْحَرَّةِ وَابْنُ الْأَشْعَثِ وَابْنُ الْمُهَلَّبِ وَغَيْرُهُمْ فَهُزِمُوا وَهُزِمَ أَصْحَابُهُمْ، فَلَا أَقَامُوا دِينًا وَلَا أَبْقَوْا دُنْيَا. وَاللَّهُ تَعَالَى لَا يَأْمُرُ بِأَمْرٍ لَا يَحْصُلُ بِهِ صَلَاحُ الدِّينِ وَلَا صَلَاحُ الدُّنْيَا، وَإِنْ كَانَ فَاعِلُ ذَلِكَ مِنْ أَوْلِيَاءِ اللَّهِ الْمُتَّقِينَ وَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلَيْسُوا أَفْضَلَ مِنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ وَطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَغَيْرِهِمْ، وَمَعَ هَذَا لَمْ يَحْمَدُوا مَا فَعَلُوهُ مِنَ الْقِتَالِ، وَهُمْ أَعْظَمُ قَدْرًا عِنْدَ اللَّهِ وَأَحْسَنُ نِيَّةً مِنْ غَيْرِهِمْ وَكَذَلِكَ أَهْلُ الْحَرَّةِ كَانَ فِيهِمْ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالدِّينِ خَلْقٌ. وَكَذَلِكَ أَصْحَابُ ابْنِ الْأَشْعَثِ كَانَ فِيهِمْ خَلْقٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالدِّينِ، وَاللَّهُ يَغْفِرُ لَهُمْ...... وَكَانَ أَفَاضِلُ الْمُسْلِمِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْخُرُوجِ وَالْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ، كَمَا كَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَعَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ وَغَيْرُهُمْ يَنْهَوْنَ عَامَ الْحَرَّةِ عَنِ الْخُرُوجِ عَلَى يَزِيدَ، وَكَمَا كَانَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَمُجَاهِدٌ وَغَيْرُهُمَا يَنْهَوْنَ عَنِ الْخُرُوجِ فِي فِتْنَةِ ابْنِ الْأَشْعَثِ. وَلِهَذَا اسْتَقَرَّ أَمْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَى تَرْكِ الْقِتَالِ فِي الْفِتْنَةِ لِلْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ الثَّابِتَةِ عَنِ النَّبِيِّ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – وَصَارُوا يَذْكُرُونَ هَذَا فِي عَقَائِدِهِمْ، وَيَأْمُرُونَ بِالصَّبْرِ عَلَى جَوْرِ".(۲)

ترجمہ: "اہل حرہ، ابن اشعث اور ابن الملہب وغیرہ اپنے اعوان وانصار سمیت شکست وریخت سے دوچار ہوئے، نہ انہوں نے اقامت دین کا کام کیا اور نہ ہی دنیا بچا سکے، اللہ رب العالمین ایسے کام کا حکم ہی نہیں دیتا جس میں دنیا وآخرت کی بھلائی نہ ہو۔ گرچہ یہ غیر مدوح فعل جن سے سرزد ہوا تھا وہ اہل تقوی، جنتی اور اللہ کے ولی تھے، لیکن حضرت علی، حضرت

---

(۱)سورہ النساء: ۵۹۔

(۲)منہاج السنۃ النبویۃ(۴/۵۲۸-۵۲۹)۔

عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم سے افضل نہ تھے، نیز یہ کہ ان کے قتال کرنے کو قابل تعریف امر نہ گردانا گیا، جبکہ یہ لوگ عند اللہ بڑے عظیم المرتبت تھے اور حسن نیت کے معاملے میں دوسروں سے افضل تھے۔

یہی حال اہل حرہ کا تھا، ان کے درمیان بھی اہل علم، دیندار اور اچھے اخلاق کے حاملین تھے۔ ابن اشعث کے ساتھی صاحب علم اور اہل تقوی تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے گا۔۔۔۔۔ اس امت کے افضل ترین لوگ خروج اور بوقت فتنہ جنگ وجدال سے منع کرتے تھے، جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور سعید بن مسیب، علی بن حسین رحمہم اللہ نے فتنہ حرہ کے وقت یزید کے خلاف خروج سے منع کیا تھا اور جس طرح حسن بصری، مجاہد اور دیگر تابعین نے ابن اشعث کے فتنے میں ساتھ نکلنے سے منع کیا تھا۔ چنانچہ انہی امور کو مدنظر رکھتے ہوئے، نیز اس باب میں وارد صحیح اور ثابت احادیث کی بنا پر اہل سنت والجماعت کا بوقت فتنہ قتال سے ممانعت پر اتفاق ہو گیا اور پھر وہ اس مسئلے کو اپنے عقائد کے باب میں ذکر کرنے لگے اور حکام کے ظلم وجور پر صبر اور ان سے قتال کرنے سے اجتناب کی تلقین کرنے لگے۔

۴۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا فعل کئی ایک امور کی بنا پر خروج علی الحکام میں داخل نہیں ہوتا۔

(ا)۔ کیوں کہ انہوں یزید کے ہاتھوں پر بیعت ہی نہیں کی تھی، چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَلَمَّا أَخُذَتِ الْبَيْعَةُ لِيَزِيدَ فِي حَيَاةِ مُعَاوِيَةَ كَانَ الْحُسَيْنُ مِمَّنِ امْتَنَعَ مِنْ مُبَايَعَتِهِ هُوَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ"۔ [۱] "جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں یزید کی خلافت پر بیعت لی گئی تو بعض شخصیات نے بیعت سے انکار کر دیا، جن میں حضرت حسین، عبد اللہ بن زبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے نام قابل ذکر ہیں"۔

(ب)۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے اور اپنے مخالفین کے سامنے اپنی آمد کے سلسلے میں عذر پیش کیا تھا، چنانچہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "لَمَّا دَخَلَ وَقْتُ الظُّهْرِ أَمَرَ الْحُسَيْنُ الْحَجَّاجَ بْنَ مَسْرُوقٍ الْجُعْفِيَّ فَأَذَّنَ ثُمَّ خَرَجَ الْحُسَيْنُ فِي إِزَارٍ وَرِدَاءٍ وَنَعْلَيْنِ فَخَطَبَ النَّاسَ مِنْ أَصْحَابِهِ وَأَعْدَائِهِ وَاعْتَذَرَ إِلَيْهِمْ فِي مَجِيئِهِ هَذَا إِلَى هَاهُنَا، بِأَنَّهُ قَدْ كَتَبَ إِلَيْهِ أَهْلُ الْكُوفَةِ أَنَّهُمْ لَيْسَ لَهُمْ إِمَامٌ، وَإِنْ أَنْتَ قَدِمْتَ عَلَيْنَا بَايَعْنَاكَ وَقَاتَلْنَا مَعَكَ"۔ [۲]

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ط الفکر (۱۵۱/۸)۔

(۲) البدایۃ والنہایۃ ط الفکر (۱۷۲/۸)۔

جب ظہر کی نماز کا وقت داخل ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ نے حجاج بن مسروق کو اذان دینے کا حکم دیا، پھر آپ تہہ بند اور چادر اوڑھے ہوئے اپنی جوتیاں پہن کر نکلے، اور آپ نے اپنے ساتھیوں اور اپنے دشمنوں کو خطاب کرتے ہوئے اور ان کے سامنے اپنی آمد کا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ: اہل کوفہ نے انہیں یہ لکھا تھا کہ وہ کسی امام کے تابع نہیں ہیں، لہذا اگر آپ یہاں آئیں گے تو ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر لیں گے، جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

(ت)۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے جنگ کا رادہ لے کر نہیں نکلے تھے، چنانچہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالْحُسَيْنُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - مَا خَرَجَ يُرِيدُ الْقِتَالَ، وَلَكِنْ ظَنَّ أَنَّ النَّاسَ يُطِيعُونَهُ، فَلَمَّا رَأَى انْصِرَافَهُمْ عَنْهُ، طَلَبَ الرُّجُوعَ إِلَى وَطَنِهِ، أَوِ الذَّهَابَ إِلَى الثَّغْرِ، أَوْ إِتْيَانَ يَزِيدَ، فَلَمْ يُمَكِّنْهُ أُولَئِكَ الظَّلَمَةُ لَا مِنْ هَذَا وَلَا مِنْ هَذَا [وَلَا مِنْ هَذَا] وَطَلَبُوا أَنْ يَأْخُذُوهُ أَسِيرًا إِلَى يَزِيدَ، فَامْتَنَعَ مِنْ ذَلِكَ وَقَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ مَظْلُومًا شَهِيدًا، لَمْ يَكُنْ قَصْدُهُ ابْتِدَاءً أَنْ يُقَاتِلَ۔ (۱)

ترجمہ: "حسین رضی اللہ عنہ جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ انہیں یہ گمان ہوا کہ لوگ ان کی اطاعت کریں گے مگر جب وہاں پہنچ کر لوگوں کی بے رخی دیکھا تو آپ نے اپنے وطن لوٹنے کا مطالبہ رکھا یا کسی اسلامی سرحد پر جانے یا پھر یزید کے پاس جانے کی اجازت مانگی، لیکن ظالموں نے انہیں ان تینوں میں سے کسی ایک آپشن پر بھی عمل کرنے نہ دیا بلکہ انہیں قیدی بنا کر یزید کے پاس پیش کرنے کی بات کی، آپ نے جانے سے انکار کر دیا حتی کہ لڑتے ہوئے مظلوم حالت میں شہید ہوئے، (لہذا ثابت ہوا کہ) مکہ سے نکلتے وقت سے ہی ان کا ارادہ جنگ کرنے کا نہ تھا"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مذکورہ قول سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ خروج کی غرض سے نہیں نکلے تھے، لہذا ان پر خروج کی تہمت لگانا بے بنیاد بات ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرتا ہے کہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے قتال سے ہاتھ اس لئے کھینچ لیا تھا کہ ان کے معاونین نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، لہذا ایسی صورت میں جنگ کا کوئی فائدہ نہ تھا بلکہ معصوم جانوں کا ضیاع ہوتا۔

(۱) منہاج السنۃ النبویۃ: (۴۲/۴)۔

جواب: یہی وہ مصلحت ہے جس کے پیش نظر مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج حرام ٹھہرا، کیوں کہ وہاں بھی مسلمانوں کی جانوں کا ضیاع ہے اور حصول مقصود بھی ناممکن ہے۔

۴۔ حضرت حسین اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خروج کرنے پر کئی صحابہ نے نکیر کی تھی، جن میں قابل ذکر مندرجہ ذیل صحابہ کرام ہیں:

۱۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما:

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: لَمَّا خَلَعَ أَهْلُ المَدِينَةِ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ، جَمَعَ ابْنُ عُمَرَ، حَشَمَهُ وَوَلَدَهُ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ القِيَامَةِ» وَإِنَّا قَدْ بَايَعْنَا هَذَا الرَّجُلَ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَإِنِّي لاَ أَعْلَمُ غَدْرًا أَعْظَمَ مِنْ أَنْ يُبَايَعَ رَجُلٌ عَلَى بَيْعِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُنْصَبُ لَهُ القِتَالُ، وَإِنِّي لاَ أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْكُمْ خَلَعَهُ، وَلاَ بَايَعَ فِي هَذَا الأَمْرِ، إِلَّا كَانَتِ الفَيْصَلَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ۔ [۱]

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی اس وقت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اہل وعیال کو جمع کیا اور فرمایا: "میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ہر دھوکہ دہی کرنے والے شخص کے لئے بروز قیامت ایک جھنڈا لگایا جائے گا"، ہم نے اس شخص (یزید) کے ہاتھ پر بیعت اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے کی گئی بیعت کے سبب کی ہے، اور میں اس بڑا دھوکہ اور کسی شے کو نہیں سمجھتا کہ کوئی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کے سبب کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرے پھر اس کے خلاف جنگ کے لئے کھڑا ہو جائے، مجھے تم لوگوں میں سے جس کے بارے میں بھی بیعت توڑنے کا اور فتنے میں داخل ہونے کا علم ہوا تو میرے اور اس کے درمیان یہ فیصلہ کن شے ہوگی۔

۲۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

عن ابن عباس قال : استشارني الحسين بن علي في الخروج فقلت : لولا أن يزرى بي وبك لشبثت يدي في رأسك. [۲]

---

(۱) صحیح البخاری: (۷۱۱۱)۔

(۲) مصنف ابن أبی شیبۃ: (۷/۴۷۷)۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: مجھ سے حسین رضی اللہ عنہ نے (کوفہ) جانے کے سلسلے میں مشورہ کیا، تو میں نے کہا: اگر مجھے مطعون کئے جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں تمہارا سر پکڑ کر روکتا۔

قَالَ يَحْيَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ سَالِمٍ الْأَسَدِيُّ: سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ، يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ بِمَالِهِ، فَبَلَغَهُ أَنَّ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ قَدْ تَوَجَّهَ إِلَى الْعِرَاقِ، فَلَحِقَهُ عَلَى مَسِيرَةِ ثَلَاثَةِ لَيَالِي فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ فَقَالَ: الْعِرَاقَ، وَإِذَا مَعَهُ طَوَابِيرُ وَكُتُبٌ، فَقَالَ: هَذِهِ كُتُبُهُمْ وَبَيْعَتُهُمْ، فَقَالَ: لَا تَأْتِهِمْ، فَأَبَى قَالَ: إِنِّي مُحَدِّثُكَ حَدِيثًا: إِنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ فَخَيَّرَهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، فَاخْتَارَ الْآخِرَةَ وَلَمْ يُرِدِ الدُّنْيَا، وَإِنَّكُمْ بَضْعَةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يَلِيهَا أَحَدٌ مِنْكُمْ أَبَدًا، وَمَا صَرَفَهَا اللَّهُ عَنْكُمْ إِلَّا لِلَّذِي هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ. فَأَبَى أَنْ يَرْجِعَ، فَاعْتَنَقَهُ ابْنُ عُمَرَ وَبَكَى وَقَالَ: أَسْتَوْدِعُكَ اللَّهَ مِنْ قَتِيلٍ۔ (۱)

یحی بن اسماعیل فرماتے ہیں کہ میں نے امام شعبی رحمہ اللہ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان فرماتے ہیں کہ وہ اپنی زمین کی دیکھ ریکھ کو نکلے ہوئے تھے، اسی وقت انہیں خبر پہنچی کہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ عراق کی جانب نکل پڑے ہیں، آپ بھی ان کے پیچھے چل پڑے حتی کہ انہیں تین راتوں کی مسافت پر جالیا، دریافت کیا: کہاں کا ارادہ ہے؟ حسین رضی اللہ عنہ جواب دیا: عراق کا۔ ان کے ساتھ خطوط ورسائل بھی تھے۔ حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ان کے خطوط اور بیعت کے وعدے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کے پاس نہ جائیں۔ مگر حسین رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا انکار سنا تو فرمایا: میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں، جبریل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور انہیں دنیا اور آخرت میں سے کسی چیز کو اختیار کرنے کا کہا، چنانچہ آپ ﷺ نے آخرت پسند کیا اور دنیا ٹھکرا دی۔ اور آپ بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک ٹکڑا ہیں، قسم اللہ کی آپ میں سے کسی کو بھی امارت نہ ملے گی، اور اللہ رب العالمین نے بھی اسے آپ لوگوں سے اس لئے دور کیا ہے تاکہ آپ کو اس بہتر عطا کرے۔ یہ سننے کے بعد بھی انہوں نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں اپنے گلے سے لگالیا اور رونے لگے، پھر فرمایا: میں آپ مقتول وداع کرتا ہوں۔

(۱) معجم ابن الأعرابی: (۱۱۱۶/۳)۔

الولاء والبراء کا صحیح معنی و مفہوم (قسط سوم)

عبد اللہ عبد الرشید مدنی
فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

گزشتہ قسط میں ولاء وبراء کا معنی و مفہوم، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا حکم اور ان کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ نیز اس باب میں تساہل برتنے کا نتیجہ، متساہل قسم کے لوگوں کی اقسام اور ولاء وبراء کی اقسام کو بالتفصیل بیان کیا گیا۔ اب آگے ملاحظہ فرمائیں:

کیا کافر سے محبت اور دوستی مطلقاً کفر ہے؟:

شیخ سلیمان الرحیلی حفظہ اللہ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوھاب رحمہ اللہ کے حوالے سے کہتے ہیں: **بعض موالات کفر ہے اور بعض کفر نہیں۔ اور کفار کے ساتھ محبت کی بعض صورتیں کفر ہیں اور بعض کبائر میں سے ہے۔ جبکہ بعض محبت ایسی ہیں جن کا تعلق شرعی احکام اور ان کی پاسداری سے ہے ہی نہیں لہذا ان پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔**[1] یہی تفصیل شیخ صالح آل الشیخ حفظہ اللہ نے بھی بیان کی ہے۔[2]

پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ موالات ودوستی کی بنیاد محبت کے مسئلے پر قائم ہے۔ گویا موالات ودوستی قائم کرنا کسی سے محبت کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے محبت کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ محبت جو کافر سے اسکے کفر اور اسکے دین کی بنیاد پر ہو، یہ ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی بلکہ اس کو مکمل ختم کر دیتی ہے۔ لہذا ہر حال میں کافروں سے انکے کفر کی بنیاد پر دلی بغض رکھا جائے گا خواہ وہ کتنے ہی قریبی کیوں نہ ہوں۔ اللہ

(۱) شیخ حفظہ اللہ کے جامعہ اسلامیہ میں ہوئے ایک دورہ علمیہ سے ماخوذ۔
(۲) شرح الطحاویۃ: (۵۰۱)

رب العالمین کا ارشاد ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بیشک انہی میں سے ہے، ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہر گز راہ راست نہیں دکھاتا۔

دوسری قسم: وہ محبت جو کفر نہیں ہے لیکن ایمان کو ناقص کر دیتی ہے۔ یہ کافروں سے انکے دین کے علاوہ کسی اور بنیاد پر محبت ہے اور چونکہ یہ محبت مسلمان کو پہلی قسم؛ یعنی دین کی بنیاد پر محبت کی جانب لے جانے والی ہے اس لئے حرام اور کبائر میں سے ہے۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ کسی کافر سے حرام امر کی بنیاد پر محبت رکھی جائے۔ مثلاً کسی گویے سے اس کے گانوں کی وجہ سے محبت کی جائے۔ یہ محبت **حرام** اور کبیرہ گناہوں میں سے ہے لیکن کفر نہیں ہے کیونکہ یہ کفر کی بنیاد پر نہیں ہے۔ البتہ یہ محبت اس کافر سے اس کے کفر کی بنیاد پر محبت کی جانب لے جانے والی ہے۔

۲۔ کسی کافر سے کسی مباح چیز کی بنیاد پر محبت کی جائے۔ مثلاً کوئی بہت اچھا کرکٹ کھیلنے والا ہو اور اس سے اسکے کھیل کی بنیاد پر محبت کی جائے۔ لہذا اس محبت کو بھی علماء نے **حرام** ہی قرار دیا ہے کیونکہ یہ بھی پہلی قسم (یعنی کافر سے اسکے دین کی بنیاد پر محبت) کی جانب لے جانے کا ایک ذریعہ ہے۔

۳۔ کسی کافر سے دنیاوی مصلحت کی بنیاد پر محبت کی جائے۔ مثلاً کوئی کسی کافر کے ساتھ تجارت کرے اور بہت منافع ہو اور وہ اس منافع کی وجہ سے اس کافر سے محبت کرنے لگے۔ یہ محبت بھی **حرام** ہے اور علت وہی ہے جو اس سے پہلے بیان کی گئی۔

اسکی دلیل حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے (جو کہ ایک دنیوی فائدہ ہے) ایک خط لکھ کر مکہ میں اسلامی لشکر کی چڑھائی کی اطلاع دینی چاہی۔ وحی الٰہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مطلع ہو گئے اور راستے ہی میں سے خط پکڑ وا منگوایا۔ جب حاطب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنا عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے کفر اور ارتداد اور اسلام کی مخالفت کے خیال سے ایسا نہیں کیا بلکہ صرف

---

(۱) سورۃ المائدۃ: (۵۱)

اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے خیال سے خط بھیج دیا تھا، میری نیت بری نہ تھی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے آپ کے عذر کو قبول کر لیا لیکن اللہ تبارک وتعالی نے سورۃ الممتحنۃ کی پہلی آیت نازل فرمائی اور اس امر کو حرام قرار دیا۔(۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کبھی کبھی آدمی کافروں سے کسی حاجت یا اپنی کسی رشتہ داری کی بنیاد پر محبت قائم کر لیتا ہے۔ جبکہ ایسا کرنا گناہ ہے اور اسکے ایمان کو ناقص کر دیتا ہے، لیکن ایسا کرنے سے وہ کافر نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔(۲)

تیسری قسم: وہ محبت جو انسان کے قابو میں نہ ہو بلکہ طبعی وفطری ہو۔ جیسے باپ اور بیٹے کی آپسی محبت، گرچہ ان میں سے ایک کافر ہو۔ اسی طرح میاں بیوی کی آپسی محبت، گرچہ بیوی مومنہ نہ ہو بلکہ اہل کتاب میں سے ہو۔ **لہذا اس محبت پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اسکے کفر کی وجہ سے اس سے شرعی طور پر محبت نہیں کی جاسکتی بلکہ ایسے شخص سے شرعی بغض رکھنا مطلوب ہے۔** اسکی بہت ساری دلیلیں موجود ہیں جیسے فطری محبت کی وجہ سے نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو سیلاب کے وقت پکارنا اور نبی اکرم ﷺ کا اپنی والدہ کیلئے دعائے مغفرت کرنے کی اجازت نہ ملنے پر رو پڑنا وغیرہ۔

ضروری وضاحت:

یہاں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دوستی ودشمنی اور حسن سلوک وعدل وانصاف دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ چنانچہ کسی کافر کے ساتھ بظاہر اچھا اور عدل وانصاف والا معاملہ کرنا ولاء وبراء کے مسئلے میں داخل نہیں ہے۔۔ مثلا اس کو تحفے دینا یا اسکے تحفے قبول کرنا، اسکی مدد کر دینا یا اس سے مدد لے لینا اور اس کے ساتھ تجارت وغیرہ کرنا۔

---

(۱) صحیح البخاری: (۳۰۰۷)

(۲) مجموع الفتاوی: (۷/۵۲۲،۵۲۳)

چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے کفار کی عیادتیں کی ہیں[۱]، ان کے تحائف قبول کئے ہیں[۲]، انکی دعوتیں قبول فرمائی ہے۔[۳] اور انکے ساتھ خرید وفروخت بھی کیا ہے[۴] اسی طرح صحابہ سے بھی کفار کو تحفے دینا اور انکے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا ثابت ہے۔[۵]

لیکن یاد رہے کہ ان تمام چیزوں کی بنیاد ان سے محبت ہرگز نہ ہو ورنہ پھر یہ ولاء وبراء کا مسئلہ بن جائے گا جس کا ذکر اوپر کے سطور میں بالتفصیل گزر چکا۔ اسلئے اگر کافر غیر حربی (یعنی وہ کافر جو مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتا) کسی مسلمان کے ساتھ اچھا معاملہ رکھتا ہے اور حسن سلوک کرتا ہے تو اس مسلمان کیلئے بھی جائز ہے کہ وہ بھی اسکے ساتھ ویسا ہی اچھا برتاؤ کرے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی کا فرمان ہے: لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔[۶] ترجمہ: جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالی تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

چنانچہ سعودی افتاء کمیٹی (اللجنۃ الدائمۃ) کے علماء سے پوچھا گیا کہ کیا کسی نصرانی سے دوستی کرنا، اسکے ساتھ گھومنا پھرنا، اسکی زیارت کرنا اور اس کے ساتھ علمی مذاکرہ کرنا وغیرہ امور جائز ہیں؟

ان علماء کا جواب تھا: مسلمان کیلئے کافر غیر حربی کے ساتھ معروف طریقے سے رہنا، اسکی اچھائی کا بدلہ اچھائی سے دینا اور اسکے ساتھ تحفے تحائف کا تبادلہ کرنا جائز ہے لیکن اس سے محبت ومودت والی دوستی اور تعلق جائز نہیں ہے۔[۷]

---

(۱) صحیح البخاری: (۴۳۹۸،۱۲۹۰)

(۲) صحیح البخاری: (۱۴۱۱،۲۴۷۲،۲۴۷۴)

(۳) صحیح البخاری: (۲۴۲۴)

(۴) صحیح البخاری: (۲۲۱۶)

(۵) صحیح البخاری: (۲۴۷۰،۲۴۷۷)

(۶) سورۃ الممتحنۃ: (۸)

(۷) فتاوی اللجنۃ الدائمۃ (۸۹/۲۶)

اسی طرح یہ بھی یاد رہے کہ کفار کی عیدوں اور انکے تہواروں میں انہیں مبارکباد دینا، خوشی منانا، انکی خوشی میں شامل ہونا اور اس خاص موقع سے انکے تحائف قبول کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کفر کی بنیاد پر ان سے محبت و دوستی قائم کرنا اور باطل کا اقرار کرنا قرار پائے گا۔[1] والعیاذ باللہ من ذلک۔

خلاصہ یہ کہ کفار کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے دو شرائط ہیں:

۱۔ انکی جانب سے کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو یعنی وہ غیر حربی ہوں اور ہمارے دین و دنیا کو نقصان پہنچانے والے نہ ہوں۔

۲۔ ان سے ہمارا وہ تعلق قلبی محبت و مودت کی بنیاد پر نہ ہو۔

---

(۱) المنتقی من فتاوی الشیخ الفوزان: (۲۵۵/۱)

اہل بدعت سے علم حاصل کرنے اور ان کی تقریر وغیرہ سننے کے تعلق سے سلف صالحین کا منہج (قسط سوم)

مامون رشید بن ہارون رشید سلفی
جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

سلف صالحین کا اس امت پر احسان ہے کہ انہوں اسلام کے نام پر رونما ہونے والے تمام فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور علمی طور پر ان کے دلائل کے تارو پود بکھیرے، شرک کے بعد اسلام میں دوسرا بڑا فتنہ بدعت کا ہے، جس سے نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو خصوصا تحذیر کی، اہل بدعت سے تحذیر کی یہی روش آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اصحاب کرام نے بھی اختیار کی اور اہل بدعت کی مجالست، ان سے استفادہ اور ان کی کتابوں کے پڑھنے سے متفقہ طور پر منع کیا۔ سلف صالحین کے یہاں اس مسئلے میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ فی زمانہ ہمیں سلفی نسبت رکھنے والے ایسے افراد سے واسطہ پڑ رہا ہے جنھوں سلف کے اس اجماعی موقف سے اختلاف ہے اور وقتا فوقتا انہیں اپنی تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں، سابقہ اقساط میں یہ بات آئی کہ بعض صحیح المنہج لوگوں جب اہل بدعت سے قربت اختیار کی اور ان کی کتابوں سے علم لینا شروع کیا تو کس طرح راہ حق سے انحراف کے شکار ہو گئے۔۔۔۔۔۔اب آگے پڑھیں: (ادارہ)۔

آئندہ سطور میں اس دعوے کے اثبات کے لئے نصوص شرعیہ، آثار سلف صالحین اور اقوال ائمہ دین کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، ملاحظہ فرمائیں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"وَإِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ ٱسۡجُدُواْ لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبۡلِيسَ أَبَىٰ، فَقُلۡنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوّٞ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلۡجَنَّةِ فَتَشۡقَىٰٓ، إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعۡرَىٰ، وَأَنَّكَ لَا تَظۡمَؤُاْ فِيهَا وَلَا تَضۡحَىٰ، فَوَسۡوَسَ إِلَيۡهِ ٱلشَّيۡطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلۡ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ ٱلۡخُلۡدِ وَمُلۡكٖ لَّا يَبۡلَىٰ، فَأَكَلَا مِنۡهَا فَبَدَتۡ لَهُمَا سَوۡءَٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخۡصِفَانِ عَلَيۡهِمَا مِن وَرَقِ ٱلۡجَنَّةِۚ وَعَصَىٰٓ ءَادَمُ رَبَّهُۥ فَغَوَىٰ، ثُمَّ ٱجۡتَبَٰهُ رَبُّهُۥ فَتَابَ عَلَيۡهِ وَهَدَىٰ، قَالَ ٱهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيعَۢا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوّٞۖ فَإِمَّا يَأۡتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدٗى فَمَنِ ٱتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقَىٰ."[1]

---

(۱)[سورۃ طٰہ ۱۱۶-۱۲۳]۔

ترجمہ:اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے اسے سجدہ کیا مگر اس نے حکم نہ مانا، لہٰذا ہم نے آدم سے کہا کہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ وہ کہیں تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ، یہاں تو تمہیں نہ بھوک ستاتی ہے نہ ننگے رہتے ہو، نہ پیاس لگتی ہے اور نہ دھوپ، پھر شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: ”آدم! میں تمہیں وہ درخت نہ بتاؤں جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے۔“، آخر ان (دونوں) نے اس درخت کا پھل کھالیا جس سے ان کے ستر کے مقامات ایک دوسرے کے آگے کھل گئے تو وہ جنت کے پتوں سے انہیں ڈھانکنے لگے، اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی لہٰذا وہ بھٹک گئے، پھر ان کے پروردگار نے انہیں برگزیدہ کیا، ان کی توبہ قبول کی اور ہدایت بخشی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم دونوں (یعنی انسان اور شیطان) سب یہاں سے نکل جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف اٹھائے گا۔

ان آیات کریمہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ابونا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالنے کی سب سے اہم وجہ یہ بنی کہ آپ نے اللہ رب العالمین کے منع کرنے کے باوجود شیطان کی باتیں سن لی، نتیجتاً اس سے متاثر ہو کر شجر ممنوعہ کا پھل کھا بیٹھے جس کی پاداش میں جنت سے نکالے گئے؛ حالانکہ آپ ایک نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے بھی زیادہ علم سے نواز رکھا تھا اس کے باوجود بری صحبت اور منحرف مخلوق کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے، لہٰذا ایسے لوگوں کو نصیحت حاصل کرنا چاہیے جو بدعتیوں سے علم حاصل کرتے ہیں یا ان سے علم حاصل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ انسانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: "يَابَنِي ءَادَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ"۔(۱)

(۱)(الأعراف:۲۷)۔

اے بنی آدم! ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں فتنے میں مبتلا کر دے جیسا کہ اس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا اور ان سے ان کے لباس اتروا دیئے تھے تاکہ ان کی شرمگاہیں انہیں دکھلا دے، وہ اور اس کا گروہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے، ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا سرپرست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: "قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ..."۔ (۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچے کی پیدائش فطرت (دین اسلام) پر ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

محل استشہاد یہ ہے کہ ہر بچہ دین فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن والدین کی تعلیم وتربیت اس کا رخ موڑ دیتی ہے، چنانچہ اگر والدین مسلمان ہوئے تو بچے اسلام پر باقی رہتے ہیں، اور اگر والدین یہودی عیسائی یا مجوسی ہوئے تو بچے بھی ان کی تعلیم وتربیت اور صحبت ومعاشرت سے متاثر ہو کر یہودی عیسائی اور مجوسی بن جاتے ہیں۔

ابو امیہ الجمحی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن من أشراط الساعة أن يلتمس العلم عند الأصاغر"۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی علامت یہ ہے کہ "أصاغر" کے پاس علم حاصل کیا جائے۔

امام عبد اللہ بن المبارک اصاغر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اصاغر اہل بدعت ہیں"۔ (۳)

امام شاطبی رحمہ اللہ ابن المبارک رحمہ اللہ کے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ مفہوم بالکل موافق اور درست ہے، کیونکہ اہل بدعت علم میں غیر پختہ اور چھوٹے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے وہ بدعتی بن جاتے ہیں"۔ (۴)

---

(۱)(صحیح البخاری ح:۱۳۸۵، ۴۷۷۵، صحیح مسلم ح:۶۷۵۵، ۶۷۵۷)۔

(۲)(رواہ ابن المبارک فی الزہد ح:۶۱، والطبرانی فی المعجم الکبیر ح:۹۰۸، وصححہ الألبانی فی السلسلۃ الصحیحۃ ح:۶۹۵)۔

(۳)(جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۶۲۱ ح:۱۰۵۲، شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ ۱/۹۵ ح:۱۰۲)۔

(۴)(الاعتصام للشاطبی ۲/۱۷۴)۔

اس حدیث نبوی کے اندر بدعتیوں سے علم حاصل کرنے کو قیامت کی علامت قرار دے کر اس کی سنگینی اور خطرناکی بیان کی گئی ہے، اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ لوگ جب تک اہل السنہ اہل الحدیث، حاملین منہج سلف صالحین اور پختہ علم علماء سے علم حاصل کرتے رہیں گے خیر وعافیت میں رہیں گے، لیکن جب بدعتیوں اور کچے علم افراد سے دین سیکھنے لگیں گے ہلاکت وبربادی ان کا مقدر ہوگی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "تم لوگ اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو کہ یہ علم کس سے حاصل کر رہے ہو، کیونکہ یہ دین ہے"۔[۱]

یہی قول سلف صالحین کی ایک جماعت جیسے ضحاک بن مزاحم وغیرہ سے منقول ہے۔

مشہور تابعی امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تاخذون دينكم"۔ یہ علم دین ہے تو دیکھو کہ تم کس شخص سے دین حاصل کرتے ہو۔[۲]

مزید فرماتے ہیں:" لَمْ يكُونوا يَسْأَلُونَ عَنِ الْإِسْنَادِ، فَلَمَّا وَقَعَتِ الفتنَةُ، قَالُوا: سَمُّوا لَنَا رِجالَكُمْ، فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ، وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ"۔[۳]

(ابتدائی دور میں عالمان حدیث صحابہ وتابعین) اسناد کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنہ (شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ) واقع ہو گیا تو انہوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے راویوں (حدیث) کے نام لو تاکہ اہل سنت کو دیکھ کر ان سے حدیث لی جائے اور اہل بدعت کو دیکھ کر ان کی حدیث قبول نہ کی جائے۔

لہذا علم دین حاصل کرنے سے پہلے اس بات کی تحقیق کر لینا ضروری ہے کہ جس سے علم حاصل کیا جارہا ہے وہ نیک عادل سچا موحد متبع سنت اور منہج سلف صالحین کا پیروکار ہے یا نہیں؟ اگر معلم ومدرس بدعتی، خواہش پرست اور فاسق وفاجر ہے تو اس سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے گا اور کسی سلفی المنہج، صحیح العقیدہ عالم کی صحبت میں رہ کر ان سے علم حاصل کیا جائے گا۔

---

(۱)(الكفاية في معرفة علم أصول الرواية للخطيب البغدادي ص:۱۲۱)۔
(۲)(مقدمۃ صحیح مسلم ح:۲۶، سنن الدارمی ح:۴۳۸ والاثر صحیح مشہور)۔
(۳)(مقدمۃ صحیح مسلم ح:۲۷)۔

جلیل القدر تابعی امام میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" تم ان تین چیزوں کے ذریعے اپنے نفس کو ہر گز آزمائش میں نہ ڈالو:

(۱) کبھی کسی حکمران کے دربار میں نہ جاؤ، گرچہ تم اسے طاعت الہٰی کی دعوت دینے کا ارادہ ہی کیوں نہ رکھتے ہو۔

(۲) کسی خواہش پرست بدعتی کی باتیں ہر گز نہ سنو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم اس کی کون سی بات تمہارے دل میں گھر کر جائے گی۔

(۳) اور قطعاً (تنہائی میں) کسی عورت کے پاس نہ جاؤ، گرچہ تمہارا مقصد اسے کتاب اللہ کی تعلیم دینا ہو۔[۱]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چار قسم کے لوگوں سے علم نہیں لیا جائے گا:

(۱) بے وقوف: جو کھلی حماقت ونادانی کرتا ہو، خواہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ روایت کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) بدعتی: جو اپنی خواہشات نفسانی کی طرف دعوت دیتا ہو۔

(۳) وہ آدمی جو لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو: گرچہ اسے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جھوٹ سے متہم نہ پایا گیا ہو۔

(۴) وہ صالح اور عبادت گزار فاضل شخص: جسے وہ چیزیں یاد نہ ہوں جو وہ بیان کر رہا ہے۔[۲]

مزید فرماتے ہیں:" کہا جاتا تھا (یعنی آپ کے زمانے کے اہل علم، آپ کے اساتذہ اور تابعین عظام کہا کرتے تھے) کہ: تم کسی منحرف اور گمراہ شخص کی باتیں نہ سنو، اور نہ اسے اپنے سامنے کچھ بولنے کی اجازت دو، کیونکہ تمہیں نہیں معلوم اس کی کون سی بات تم سے چمٹ جائے گی (تمارے دل کو آ لگے گی)"۔[۳]

---

(۱) (ذم الھوی لابن الجوزی ص: ۱۴۸، تاریخ الإسلام ت بشار ۳/ ۳۲۷)۔

(۲) (المحدث الفاصل بین الراوی والواعی للرامھرمزی ص: ۴۰۳، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ۲/ ۸۲۰)۔

(۳) (المفھم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم للقرطبی ۶/ ۶۹۱، الاعتصام للشاطبی ت الھلالی ۱/ ۱۷۳)۔

اسماء بن عبید نے کہا کہ خواہش پرستوں (متکلمین و فلاسفہ) میں سے دو آدمی امام ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابو بکر! ہم آپ کے لئے حدیث بیان کرتے ہیں؟ آپ نے کہا: نہیں (اس کی ضرورت نہیں ہے)، انہوں نے کہا: پھر ہم آپ کو قرآن پاک کی کوئی آیت سناتے ہیں، فرمایا: نہیں، یا تم میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ یا میں خود چلا جاتا ہوں، راوی کہتا: چنانچہ وہ دونوں نکل گئے، تو اہل مجلس میں سے کسی نے کہا: اے ابو بکر! کیا برائی تھی اگر وہ قرآن پاک کی کوئی آیت سنا دیتے؟ فرمایا: مجھے ڈر تھا کہ وہ کوئی آیت سنائیں اور اس میں تحریف کر دیں اور وہ میرے دل میں بیٹھ جائے۔[۱]

سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو کسی بدعتی کی باتیں سنتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان سنی ہوئی باتوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ہے، اور جو کسی بدعتی سے مصافحہ کرتا ہے تو وہ اسلام کے مضبوط کڑوں کو ایک ایک کرکے توڑ دیتا ہے"۔[۲]

حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یونس بن عبید رحمہ اللہ نے ہم سے کہا: میں تم لوگوں کو تین چیزوں کی وصیت کرتا ہوں، پس تم انہیں تھامے رکھو خواہ میں زندہ رہوں یا مر جاؤں: کسی بدعتی کو اپنے کانوں پر مسلط نہ ہونے دو، نہ کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں رہو، گرچہ اسے قرآن ہی کیوں نہ سکھانا ہو، اور نہ کسی بادشاہ کے دربار میں جاؤ خواہ نصیحت کے ارادے سے ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری روایت میں ہے: "کسی بدعتی کی ہم نشینی نہ اختیار کرو"۔[۳]

امام محمد بن نضر الحارثی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو کسی بدعتی کی باتیں غور سے سنتا ہے وہ اللہ کے حفظ وامان سے نکل جاتا ہے اور اپنے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے"۔ اسی طرح کا قول سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے۔[۴]

---

(۱) (سنن الدارمی ح:۴۱۱ وسندہ صحیح، الإبانة الكبرى لابن بطة ۳۹۸، شرح أصول أہل السنة والجماعة للالكائی ۲۴۲، الشريعة للآجری ۴۴۰/۱ ح:۱۲۱، البدع لابن وضاح)۔

(۲)۔ (تلبیس إبلیس لابن الجوزی ص:۱۵، الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ت الطحان ۱۳۸/۱، تاریخ الإسلام للذہبی ت بشار ۳۸۲/۴)۔

(۳) (الإبانة الكبرى لابن بطة ۴۴۲/۲ ح:۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸ وہو أثر ثابت)۔

(۴) (المجالسة وجواہر العلم لابن قتيبة ۲۰۹/۲، الإبانة الكبرى لابن بطة ۴۶۱/۲، ح:۴۴۴)۔

محمد بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کو وحی کی کہ: آپ اہل الأہواء کی مجالست اختیار نہ کریں، ورنہ آپ ان سے کوئی ایسی بات سن لیں گے جو آپ کو بہکا دے گی، اور گمراہ کر دے گی اور پھر جہنم میں داخل کر دے گی۔[۱]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ معروف محدث مسدد بن مسرہد رحمہ اللہ کو خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: "کسی بدعتی سے دینی معاملات میں گفتگو نہ کرو، اور نہ اسے سفر میں اپنے ساتھ رکھو"۔ (الجامع لعلوم الإمام أحمد ۳/ ۴۲)۔

امام بربہاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر تم حق اور طریق اہلِ سنت پر استقامت چاہتے ہو تو علم کلام سے بچو، دین کے معاملے میں اہل کلام و جدال اور اصحاب قیاس و مناظرہ سے دور رہو؛ کیونکہ تمہارا ان سے کسی بات کا سننا (اگرچہ تم نے اس کا اثر قبول نہیں کیا) تمہارے اندر ضرور شک پیدا کر دے گا اور یہی قبولیت کا اثر تمہیں ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے، کیونکہ زندیقیت، بدعت، خواہشات نفس اور گمراہی جب بھی پیدا ہوتی ہیں تو کلام و جدال اور قیاس و مناظرہ سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اور یہ بدعت، شکوک اور زندقیت کے دروازے ہیں۔[۲]

امام نووی رحمہ اللہ ان مقامات کا تذکرہ کرتے ہوئے جن میں غیبت کرنا جائز ہے فرماتے ہیں: اور جب آپ کسی طالب علم کو دیکھیں کہ وہ علم حاصل کرنے کے لئے کسی فاسق یا بدعتی کے پاس آنا جانا کرتا ہے، اور آپ کو اسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو آپ پر واجب ہے کہ اس (فاسق یا بدعتی) کی حقیقت بیان کر کے اس (طالب علم) کی خیر خواہی کریں، بشرطیکہ آپ کا ارادہ نصیحت کا ہو۔[۳]

امام نووی رحمہ اللہ بدعتی کے پاس علم حاصل کرنے والے کو روکنے کے لئے اس بدعتی عالم کی غیبت کرنا، اس پر جرح و نقد کرنا اور اس کے انحرافات بیان کرنا جائز قرار دے رہے ہیں، تاکہ طالب علم اس بدعتی سے علم حاصل کر کے گمراہ نہ ہو اور سنت سے بھٹک کر بدعت و خرافات کی عمیق کھائی میں گر کر تباہ و برباد نہ ہو جائے۔

---

(۱) (البدع والنہی عنہا لابن وضاح ت الہلالی ص: ۱۰۰ح: ۱۲۸)۔
(۲) (شرح السنۃ للبربہاری ت الردادی ص: ۱۱۸)۔
(۳) (شرح النووی علی صحیح مسلم ۱۶/ ۱۴۳)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"جب تم عقل پرست بدعتی کو یہ کہتے ہوئے دیکھو کہ: بھئی کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑو، ہمارے سامنے عقل پیش کرو، تو جان لو کہ وہ ابو جہل (جہالت کا باپ) ہے، اور جب صوفی توحیدی (وحدت الوجودی) کو یہ کہتے دیکھو کہ: ہمارے سامنے عقل و نقل (کتاب وسنت) نہ پیش کرو، ذوق اور وجدان پیش کرو، تو جان لو کہ وہ ابلیس ہے، جو انسان کی شکل میں آیا ہے، یا یہ کہ اس میں حلول کر گیا ہے، لہذا اگر اپنے آپ کو اس کے مقابل کمزور یا بزدل پاؤ تو بھاگ جاؤ ورنہ اسے پچھاڑ دو اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھو اور اس پر آیت الکرسی پڑھ دو اور اس کا گلا گھونٹ کر رکھ دو۔"[۱]

مزید فرماتے ہیں:"میں نے شیخ موفق کے قلم سے لکھا ہوا پڑھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اپنے بھائی ابو عمر کے ساتھ ابن ابی عصرون کا درس سنا، اور ان سے لا تعلق ہو گئے، پھر میں نے اپنے بھائی کو کہتے ہوئے سنا: کہ میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا: تم لوگوں نے مجھ سے قطع تعلق کیوں کر لیا؟ میں نے کہا: کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ آپ اشعری ہیں، تو انہوں نے کہا: اللہ کی قسم میں اشعری نہیں ہوں۔ یہ حکایت کا معنی ہے۔"[۲]

یعنی ابو عمر رحمہ اللہ نے جب یہ سنا کہ "ابن ابی عصرون" اشعری ہیں؛ تو ان کے درس میں جانا اور ان سے علم حاصل کرنا ترک کر دیے، تا کہ استاد کے منہج سے متاثر ہو کر صفات باری تعالیٰ کی تاویل اور دیگر انحرافات و مخالفات شرعیہ میں واقع نہ ہو جائیں۔

---

(۱)(سیر أعلام النبلاء ۴/۴۷۲)۔

(۲)(سیر أعلام النبلاء ۱۲۹/۲۱)۔

منظومة البيقونية في مصطلح الحديث:تعارف اور شروحات (قسط سوم)

ابو المدح بلال الخليلي
جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

مخطوطات(نسخ معتمدة)اور اس کی تحقیق:-

کتاب مذکور کے قلمی نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں،البتہ شیخ عبدالمحسن القاسم (امام حرم مدنی)سلمہ اللہ نے اس کی تحقیق میں جن مخطوطات پر اعتماد کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱)خطی نسخہ - دار الکتاب والوثائق القومیہ - مصر - رقم:۱۸۰ - تاریخ النسخ:۱۲۳۲ھ - اسم الناسخ: محمد حسن ابو بکر (ایضا رقم:۱۷۸-ورقم:۱۷۹-لیکن ان پر تاریخ نسخ مذکور نہیں ہے)۔

(۲)خطی نسخہ -مکتبہ مجلس شوریٰ-ایران-رقم:۸۷۳۴۲-تاریخ النسخ:۱۲۷۰ھ۔

(۳)خطی نسخہ -مکتبہ حرم مکی-السعودیہ-رقم:۴/۳۹۱۲۔

(۴)خطی نسخہ -مکتبہ محمودیہ-مکتبہ ملک عبد العزیز-السعودیہ-رقم:۲۷۲۸۔

(۵)خطی نسخہ -مکتبہ عارف حکمت-مکتبہ ملک عبد العزیز-السعودیہ-رقم:۱۱/۲۰۶۔

(۶)خطی نسخہ -جامعہ ملک سعود-السعودیہ-رقم:۷۷۴۔[1]

منظومہ کی شروحات:-

---

(۱)(متون طالب علم،مستوی ثالث صفحہ ۲۴)۔

اس منظومہ کی متعدد شروحات، تعلیقات، حواشی وامالي لکھی گئی ہیں، جن کی تعداد ۸۰ سے متجاوز ہے، اور تمام عربی شروحات ہیں، تلاش بسیار کے باوجود اردو میں نہ اس کی کوئی شرح ملی اور نہ ہی ترجمہ، ذیل میں ان عربی شروحات وتعلیقات، حواشی وامالی پر مبنی کتب کا تذکرہ ہے جس میں سے اکثر تو مطبوع ہیں، بس چند کتب ہی ایسی ہیں جو ابھی تک مخطوطات کی دنیا میں زیور طبع سے آراستہ ہونے کی منتظر ہیں:

شروحات، تعلیقات، حواشی وامالی:

(۱)فتح القادر المعين المغيث بشرح منظومة البيقوني في علم الحديث – لعبد القادر بن جلال الدين المحلي -(ت۱۰۶۵)۔

(۲)تلقيح الفكر بشرح منظومة الأثر – لأحمد بن محمد الحموي-(ت۱۰۹۸)۔

(۳)صفوة الملح بشرح منظومة البيقوني في فن المصطلح – لشهاب الدين محمد الدمياطي المعروف بابن الميت(ت۱۱۴۰)۔

(۴)شرح المنظومة البيقونية – لحسن بن غالي الأزهري الجداوي-(ت۱۲۰۲)۔

(۵)شرح المنظومة البيقونية – لمحمد بن عبد الباقي الزرقاني-(ت۱۱۲۲)۔اس شرح پر امام عطیہ الاجھوری کا حاشیہ بھی ہے، جس کا ذکر امام زرکلی نے اپنی کتاب "الاعلام" میں کیا ہے۔یہ حاشیہ مطبوع بھی ہے۔

(۶)حاشية على المنظومة البيقونية – لمحمد بن معدان الحاجري الأسناوي-(ت۱۲۲۹)-(مخطوط)۔

(۷)شرح المنظومة البيقونية – لمحمد زيتونة التونسي(ت۱۱۳۸)۔

(۸)الكواكب النورانية على البيقونية – لعبد الله بن علي الأزبكي الدمليجي-(ت۱۲۳۴)۔

(۹)حاشية على المنظومة البيقونية – مصطفى بن علي البلتاني-(۱۲۴۹)-(مخطوط)۔

(۱۰)الحواشي على المنظومة البيقونية – لعبد الرحمن الأهدل(ت۱۲۵۰)۔

(١١)لطائف منح المغيث في مصطلح البيقوني في الحديث – لمحمد بن عثمان الميرغني المكي الحنفي-(ت ١٢٦٨)۔

(١٢)التقاييد الدسوقية البيومية على المنظومة البيقونية – لبيومي بن فراج بن مصطفى المشهور بالزيات الجرجاوي-(ت١٢٩٣)۔

(١٣)التحفة الزينية على المنظومة البيقونية – لزين الصياد المرصفي الشافعي-(١٣٠٠)-(مخطوط)۔

(١٤)العرجون في شرح البيقون – للعلامة نواب صديق حسن خان القنوجي(ت١٣٠٧)۔

(١٥)الزهرة السمية شرح المنظومة البيقونية – لخالد الجزماتي(ت١٣١٥)۔

(١٦)البهجة الوضية شرح متن البيقونية – لمحمود بن محمد بن عبد الدائم الشهير بنشابة-(ت١٣٠٨)۔

(١٧)القلائد العنبرية على المنظومة البيقونية – لعثمان بن المكي الزبيدي(ت١٣٣٠)۔

(١٨)شرح المنظومة البيقونية – لعلي بن محمد بن عامر النجاري(ت١٣٥١)۔

(١٩)الدرر البهية شرح البيقونية – لبدر الدين الحسني-(ت١٣٥٤)۔

(٢٠)تحفة الأحباب للمسترشدين من الطلاب – لداؤد التكريتي(ت١٣٦٠)۔

(٢١)النخبة النبهانية بشرح المنظومة البيقونية – لمحمد بن خليفة بن الحمد النبهاني المالكي(١٣٦٩)۔

(٢٢)شرح المنظومة البيقونية في مصطلح الحديث – لعبد الله سراج الدين(طبع١٣٧٢)۔

(٢٣)التقريرات السنية شرح منظومة البيقونية في مصطلح الحديث – لحسن بن محمد المشاط المالكى-(ت١٣٩٩)۔

(٢٤)التوضيحات البسيطة على المنظومة البيقونية – لسعد بن عمر الفوتي التجاني(طبع١٤٠٠)۔

(۲۵)صقل الأفهام الجلية بشرح المنظومة البيقونية – لمصطفى بن محمد بن سلامة(طبع ۱۴۱۲)۔

(۲۶)الأمالي المكية على المنظومة البيقونية – لسليمان بن ناصر العلوان(طبع ۱۴۱۳)۔

(۲۷)التعليقات الأثرية على المنظومة البيقونية (الشرح الموجز)۔

(۲۸)وتنوير الأفئدة الذكية في شرح المنظومة البيقونية (الشرح المفصل)۔

(۲۹)لأبي الحارث علي بن حسن بن على الحلبي الأثري(طبع ۱۴۱۳)۔

(۳۰)الثمرات الجنية شرح منظومة البيقونية – للشيخ عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين-(طبع ۱۴۱۷)۔

(۳۱)شرح منظومة البيقونية – للشيخ محمد بن بن صالح العثيمين-(طبع ۱۴۱۵)۔

(۳۲)الدرر النقية في شرح المنظومة البيقونية – لأحمد بن حمود الخالدي-(۱۴۲۲)۔

(۳۳)شرح المنظومة البيقونية – لأحمد الترمانيني(۱۲۹۳)۔

(۳۴)الدرر النقية في شرح المنظومة البيقونية – لتركي بن مسفر بن هادي مجلي العبديني -(طبع ۱۴۳۵)۔

(۳۵)شرح البيقونية في مصطلح الحديث -للشيخ حسنين محمد مخلوف -(۱۴۱۰)۔

(۳۶)التعريفات الندية على المنظومة البيقونية – لحمد صالح المري(۱۴۲۷)۔

(۳۷)الكواكب الدرية على المنظومة البيقونية – لسليمان بن خالد الحربي۔

(۳۸)السهل المسهل في مصطلح الحديث على البيقونية – لسيف الرحمن احمد الهندي۔

(۳۹)شرح المنظومة البيقونية – لصالح الاسمري۔

(۴۰)أحسن الحديث – لعبد الرحمن المحلاوي۔

(٤١)شرح منظومة البيقونية في مصطلح الحديث – لعبد الغني السوداني البرهاني –(١١٥١)-(مخطوط)۔

(٤٢)كشف الظنون والدر المصون بشرح متن البيقون – لمصطفى ملا محمد ۔

(٤٣)شرح المنظومة البيقونية – لماهر الفحل ۔

(٤٤)أطيب المنح بشرح المنظومة البيقونية في علم المصطلح – لمجدي بن محمد بن عرفات المصري–(یاد رہے کہ قدرے تغیر کے ساتھ اسی نام سے اس فن میں ایک اور کتاب ہے "من أطيب المنح في علم المصطلح" جس کی جمع وتالیف جامعہ اسلامیہ کے سابقہ شیخین "شیخ عبد الکریم مراد اور شیخ عبد المحسن العباد" نے کی ہے اور جو جامعہ اسلامیہ میں معہد ثانویہ کے نصابی مقررات میں سے ہے)۔

(٤٥)شرح المنظومة البيقونية – لمحمد بن ابراهيم السلفي الجزائري۔

(٤٦)الباكورة الجنية من قطاف متن البيقونية – لمحمد أمين بن عبد الله الأثيوبي ۔

(٤٧)إمتاع الأسماع بشرح ما نظم البيقوني من الأنواع – لأبي عبد الله محمد عيسى حاج ۔

(٤٨)الأمالي السليمانية على المنظومة البيقونية – لأبي الحسن مصطفى بن سليمان المأربي ۔

(٤٩)القطرات السخية في شرح المنظومة البيقونية – لأبي القاسم المقدسي ۔

(٥٠)الشرح الميسر للمنظومة البيقونية في علم مصطلح الحديث والأثر – لخالد بن محمود الجهني ۔

(٥١)أهم المسائل الجلية في شرح البيقونية – لأبي عبد الرحمن الفلازوني ۔

(٥٢)اللمع البهية بشرح البيقونية – لأبي محمد الألفي ۔

(٥٣)الأسئلة السنية على المنظومة البيقونية – لأم الليث – الشرح على الأسئلة والأجوبة۔

(٥٤)حاشية الفيشي على البيقونية – لمحمد بن محمد الفيشي – (القرن العاشر)-(مخطوط)۔

(٥٥)الحاشية المرتية على المنظومة البيقونية – لمفتاح بن مأمون بن عبد الله-(طبع١٤١٧)۔

(٥٦)"خلاصة التيسير والسلفية في شرح البيقونية" وآخر "التيسير والتأصيل والسلفية في شرح المنظومة البيقونية" – كلاهما لعبد المنعم إبراهيم عمارة ۔

(٥٧)إظهار المكنون من نظْم البيقون – لأبي أسامة جمال الأثري ۔

(٥٨)شرح المنظومة البيقونية – لأبي معاذ طارق بن عوض الله بن محمد(طبع١٤٣٠)۔

(٥٩)التعليقات الرضية على المنظومة البيقونية – لعبد الله بن عبد الرحيم البخاري(طبع١٤٢٩)۔

(٦٠)شرح المنظومة البيقونية في مصطلح أهل الحديث والأثر على ضوء مناهج المتقدمين وتحريرات المتأخرين – لخالد بن صالح الغصن-(طبع١٤٢٨)۔

(٦١)بلوغ الأمنية في شرح المنظومة البيقونية – للقمان الحكيم الإندونيسي۔

(٦٢)المفاتيح الربانية في حل المنظومة البيقونية – لهشام بن محمد حيجر۔

کتاب کی بہترین شروحات:-

شروحات کی کثرت کے سبب ان کا استیعاب ایک مشکل امر ہے البتہ ان میں سے بعض اہم شروحات کا مطالعہ طالب علم کو کتاب کی تفہیم میں مدد دے گا، معاصرین میں سے شیخ عبد الکریم الخضیر حفظہ اللہ نے "شرح الزرقانی" بہترین شرح مانا ہے، جبکہ شیخ صالح العصیمی سلمہ اللہ کے نزدیک اس کی بہترین شرح "صفوۃ الملح للدمیاطی" ہے، اور اسی طرح بعض علماء نے طارق بن عوض اللہ کی شرح کو بہترین شرح قرار دیا ہے۔

اگر کوئی طالب علم اختصار کے ساتھ اس کو سمجھنا چاہتا ہو تو اس کیلئے درج ذیل ٥ کتب میں سے کوئی ایک کتاب کافی ہوگی ان شاءاللہ۔

(١)شرح الشیخ عبدالکریم الخضیر حفظہ اللہ۔

(۲)شرح الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔

(۳)شرح الشیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن الجبرین رحمہ اللہ۔

(۴)شرح الشیخ طارق بن عوض اللہ حفظہ اللہ۔

(۵)شرح الشیخ خالد بن صالح العضن حفظہ اللہ۔

اور اگر کوئی بغرض تدریس اس کی شروحات کا مطالعہ کرنا چاہتے ہوں تو ان کیلئے درج ذیل دو کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کو زیر مطالعہ رکھنا مفید ہوگا۔

(۱)السهل المسهل لسيف الرحمن الهندى۔

(۲)الأسئلة السنية على المنظومة البيقونية لأم الليث۔

صوتی اور ویڈیو جاتی شرح:

انٹرنیٹ پر منظومہ بیقونیہ کی بہت سے صوتی اور ویڈیو جاتی شروحات دستیاب ہیں، لیکن صحیح المنہج متقن علماء میں سے بعض کے نام ان کے دروس کی لنک کے ساتھ پیش کئے جارہے ہیں:

(۱)الشیخ محمد بن صالح العثیمین:

https://youtube.com/playlist?list=PLXS0usquloW95NVJlqnAMyzY1IdmTN-BU

(۲)الشیخ عبد الکریم الحضیر:

https://youtube.com/playlist?list=PLUtxhBXriVhPz5N09g6zFgiumIpCIBjW7

(۵)الشیخ عبد العزیز الشائع:

https://youtube.com/playlist?list=PL_SRzub3Wl-QtKBrdI7lm7IZpd4fxuLc8

(٦)الشیخ محمد بن عمر بازمول:

(الف) https://youtu.be/E9gLHsj_vMI-(الدرس الاول)۔

(ب) https://youtu.be/cr5JSen3b50-(الدرس الثاني)۔

(٧)الشیخ محمد سعید رسلان:

https://youtube.com/playlist?list=PLXhvlct2tdxG5ivQqtIRHB2wAzvHq3a7Z

(٨)الشیخ بدر بن محمد البدر العنزي:

https://youtube.com/playlist?list=PL2QuxW4xCB1-PPvSaJR_yIzRVO-mkO1d6

(٩)الشیخ عبد اللہ بن عبد الرحیم البخاري:

https://youtube.com/playlist?list=PLtyiyX0IUsU_8etnTyF6HrDTdouAuRZOn

(١٠)الشیخ محمد بن شمس الدین:

https://youtube.com/playlist?list=PL1GJ09M00J5b-dGPyNFyKyIOsUbsgo6Ta

کتاب کی مختلف طبعات:-

کتاب کے مختصر ہونے کے سبب اسے متون علمیہ وغیرہ میں شامل کرکے اکثر مکتبات نے شائع کیا ہے، کچھ مکتبات نے نوٹ بک کی شکل میں بھی طبع کیا ہے تاکہ طلباء دوران درس اس پر تعلیقات وحواشی بھی لگا سکیں۔ نیز کچھ تزیین کار حضرات نے اس منظومہ کی ایک دو صفحات میں بہترین تزیین کاری کے ساتھ انٹرنیٹ پر نشر کیا ہے جس میں ابو عبد الرحمٰن عمرو بن هیمان المصری ہیں جن کا اس منظومہ کا اعداد شدہ نسخہ حفظ وفہم کیلئے طلباء کے حق میں بہت مناسب ہے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے افہام وتفہیم کے غرض سے اس منظومہ کی تشجیر وتصمیم بھی کئے ہیں، جس میں احمد بن شہاب بن حسن حامد کا مشجرہ وتصمیم کافی بہتر ہے۔

استدراکات ومؤاخذات:-

اس کتاب پر مؤاخذات جاننے سے قبل قابل مؤاخذہ امور کو جاننا ضروری ہے تاکہ علماء کے استدراک کی وجہ معلوم ہوسکے۔

(۱)پہلی بات یہ ہے کہ اس میں کچھ اصطلاحات کے تعریفات میں نقص ہے، جیسے منظومہ میں موجود حدیث مرسل کی تعریف پر کلام کیا گیا ہے۔جس پر محدث مدینہ شیخ عبدالمحسن العباد وفقہ اللہ نے بھی کلام کیا ہے۔

(۲)دوسری بات یہ ہے کہ یہ مکمل منظومہ کافی مختصر ہے۔جس میں کئی اہم مبادیات مصطلح مذکور نہیں ہیں۔جس پر کچھ علماء وشراح نے اس پر استدراک کیا ہے۔

مستدرک کتب:-

(۱)استدراک عبد الستار ابو غده بتعليق الشيخ على بن حسن الحلبي(مطبوع)۔

(۲)التعليقات الاثرية على المنظومة البيقونية لعلي بن حسن الحلبي(مطبوع)۔

(۳)طراز البيقونية لمحمود بن احمد النشوي(مطبوع)۔

اس آخر الذکر کتاب میں صاحب کتاب نے ۵ اقسام کا اضافہ کیا ہے، جس میں (محفوظ ومعروف، متابع وشاہد، حدیث غریب، مشتبہ اور مشتبہ مقلوب)شامل ہیں، اور اس طرح بیقونیہ کے ۳۴اشعار پر ۷ اشعار کا اضافہ کرکے ۴۱اشعار والا منظومہ بنادیا گیا ہے۔

(مکمل)۔

A PEN WHICH HAS BEEN RAISED TO ASSIST, DEFEND THE PEOPLE OF TRUTH AND REFUTE FALSEHOOD AND ITS PROPONENTS IS THE BEST KIND.

(Imam Ibn Qayyim Rahimahullah: Al-Tibyan Fi Aemanil Qur'aan, Pg: 310)

Issue 3

Monthly

Manhaj E-Salaf

MAGAZINE

Edition-1 | Issue-3 | Ramadan 1444 | March-April 2023

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ
حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ
تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَا
لُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي. (سنن الترمذي:2641)

NARRATED 'ABDULLAH BIN 'AMR: THAT THE MESSENGER OF ALLAH (ﷺ) SAID: "WHAT BEFELL THE CHILDREN OF ISRA'IL WILL BEFALL MY UMMAH, STEP BY STEP, SUCH THAT IF THERE WAS ONE WHO HAD INTERCOURSE WITH HIS MOTHER IN THE OPEN, THEN THERE WOULD BE SOMEONE FROM MY UMMAH WHO WOULD DO THAT. INDEED THE CHILDREN OF ISRA'IL SPLIT INTO SEVENTY-TWO SECTS, AND MY UMMAH WILL SPLIT INTO SEVENTY-THREE SECTS. ALL OF THEM ARE IN THE FIRE EXCEPT ONE SECT." HE SAID: "AND WHICH IS IT O MESSENGER OF ALLAH?" HE SAID: "WHAT I AM UPON AND MY COMPANIONS."